افادات علم وحکمت

(یعنی ندوۃ العلماء کی علمی، ادبی، اصلاحی مجالس)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
(ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

مرتب
محمد فرمان ندوی
(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مکتبہ ندویہ
دار العلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اوّل

۱۴۳۹ھ - ۲۰۱۷ء

نام کتاب	:	افادات علم وحکمت
نام مرتب	:	محمد فرمان ندوی
صفحات	:	۱۰۴
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۱۰۰/روپئے
باہتمام	:	نجیب الحسن صدیقی ندوی

طلب کریں:

مکتبہ ندویہ

دار العلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

0522-2741225, 8960997707

فہرست

۱ عرضِ ناشر ۴

۲ مقدمہ ۶

۳ تقریظ ۸

۴ عرضِ مرتب ۱۰

۵ دینی و اصلاحی افادات ۱۳

۶ علمی افادات ۴۷

۷ ادبی افادات ۷۱

۸ تاریخی افادات ۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

اللہ کے نیک بندوں اور بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اوران کی مجالس میں بیٹھ کر ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوتی ہے، ان کے ملفوظات ونصائح سن کر دل کی دنیا تبدیل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، بلکہ اللہ والوں کے تذکرے اوران کے ملفوظات کو پڑھ کر بسا اوقات دل کی انگیٹھیاں گرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

''تذکرہ شاہ علم اللہ''، ''تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی''، ''صحبتے با اہل دل''، ''صحبتے با اولیاء'' ''مجالس حسنہ'' اور ''ملفوظات حکیم الامتؒ'' اسی سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں، ان کو بار بار پڑھتے رہنے کا دل چاہتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ''صحبتے با اہل'' دل کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

''بزرگوں کے ملفوظات اوران کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے، یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانش مندانہ تصنیفی اقدام تھا، ان ملفوظات میں جو زندگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات، اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، پھر زندگی کے مختلف حالات ومسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے ہوئے طریقے پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جا سکتی۔'' (صحبتے با اہل دل:۵۳)

ملفوظات ومجالس کی انہیں سنہری کڑیوں میں مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی مجالس کا ایک اہم مرقع ''افادات علم وحکمت'' ہمارے

سامنے ہے، حضرت مرشدی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نہ صرف خانوادۂ علم اللّٰہی حسنی کی امانتوں کے امین و پاسبان ہیں، بلکہ حضرت مفکر اسلامؒ کے جانشین و نائب بھی، حضرت مفکر اسلام کی جانشینی حضرت پر خوب جچتی ہے۔

حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس کی شان اور ان کی لذت اب تک ہم طالبان علوم نبوت کے کام و دہن کو دوبالا کرتی رہتی ہیں، حضرت مفکر اسلامؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی مجالس کا بھی اسی طرح سلسلہ شروع ہوا، جو الحمد للہ اب تک قائم و دائم ہے اور ان مجالس سے تشنگانِ علم و معرفت اور مسافرانِ راہ وفا اپنی اپنی بساط کے مطابق استفادہ کرتے ہیں، اور اپنی زبان حال و قال سے گویا ہوتے ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خم خانہ بامہر و نشاں است

ہم شکریہ ادا کرتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی صاحب (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، معاون مدیر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء) کو کہ انہوں نے ''افادات علم و حکمت'' کے نام سے حضرت مرشد الامت کی مجالس کے موتیوں کو چن چن کر یکجا کر دیا۔ فجزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان کے افادہ کو عام و تام فرمائے، آمین۔

مکتبہ ندویہ اور اس کے خدام کے لیے ''افادات علم و حکمت'' کی اشاعت یقیناً سعادت کی بات ہے۔

۴ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ
۲۵ر ستمبر ۲۰۱۷ء

نجیب الحسن صدیقی ندوی
ڈائریکٹر: مکتبہ ندویہ

مقدمہ

بقلم: جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی
(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ ومدیر البعث الإسلامي)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی شخصیت جامعیت کی شان رکھتی ہے، عظیم مصلح، کامیاب قائد، بے مثال استاذ اور دلوں میں جگہ بنانے والے واعظ اور مصنف ہیں، خاندانی خصوصیات کے ساتھ مکارم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے دست راست، رفیق سفر وحضر اور صاحب سر وجہر رہے، ان کی شفقتوں، دعاؤں اور توجہات سے ایک ولی کامل کی شان رکھتے ہیں، جس کی نگاہ اثر سے ہزاروں افراد کی زندگیاں بدلیں، اور مسلسل یہ فیضان جاری ہے۔

ندوۃ العلماء کی قیادت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی امارت کے لئے اس عہد انحطاط میں آپ سے زیادہ کوئی موزوں شخصیت نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے صائب مشوروں، حکیمانہ فیصلوں سے ملت کی کشتی سلامتی کے ساتھ ساحل مراد سے ہم کنار ہورہی ہے، سمندر کا سا سکوت، زمین جیسا جھکاؤ، پہاڑوں جیسی صلابت اور آسمان جیسی بلندی اور رفعت، آپ کی شخصیت کے نمایاں اوصاف ہیں۔

حضرت کی زندگی کا اصل مشن دعوت وتبلیغ اور تعمیر انسانیت ہے، اس کے لئے آپ نے درس وتدریس، وعظ ونصیحت، اور تقریر وتصنیف کو بطور ذریعہ استعمال کیا اور ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے، آپ چونکہ سامعین اور مخاطبین کی نفسیات سے واقف ہیں اور قوموں

کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اور آپ نے ملکوں کا سفر کر کے ان کے حالات کو قریب سے دیکھا ہے، اس لئے ہر طبقہ سے اس کی سطح کے مطابق گفتگو کرنے کا سلیقہ ہی نہیں، بلکہ اس میں کمال حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ سے جو بھی ملتا ہے وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے زمانہ میں یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد حضرت کی عمومی مجالس ہوتی تھیں، ان میں کچھ اساتذہ اور طلبائے دار العلوم شریک ہوتے تھے، ان مجالس سے ان کو حضرت مولانا کے تجربات سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا تھا، حضرت مولانا کی وفات کے بعد حضرۃ الاستاذ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی جب ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے تو یہ سلسلہ معمول کے مطابق جاری رہا اور ماشاء اللہ اب بھی قائم ہے، اس میں عام اصلاحی باتیں، علمی سوالات کے تشفی بخش حل، ان کی عملی زندگی کے تعمیری عناصر اور ملت کے مسائل میں افراد کی صحیح اور مناسب رہنمائی کے اصول بیان ہوتے ہیں، اور یہ ساری باتیں قرآن مجید، حدیث شریف اور تاریخ کی روشنی میں ہوتی ہیں، جن سے سامعین کو خاطر خواہ فائدہ پہونچتا ہے۔

یہ کتاب (افادات علم وحکمت) جس کو عزیز گرامی مولانا محمد فرمان صاحب ندوی نے مرتب کیا ہے، ایک ہمہ جہت موضوع پر مشتمل ہے، اس میں ہر ذی شعور طبقے کے لئے علم و حکمت کے فوائد مضمر ہیں، اس لئے اس میں علماء وفضلاء، اساتذہ وطلباء، ادباء وحکماء، عوام اور خواص، ہر طبقے کے لئے نہایت مفید غذا موجود ہے، میں اس کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ شہادت دے رہا ہوں، اور اہل علم اور طلبائے علوم نبوت سے یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ اس کتاب کے مطالعہ سے زندگی کی پوری رہنمائی آپ کو حاصل ہوگی اور انشاء اللہ تعالی زندگی کے ایک ایک لمحے کو مفید بنانے کا نسخۂ کیمیاء آپ کے ہاتھ آئے گا۔ والحمد للّٰہ أوّلا وآخرا۔

راقم الحروف
سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۳/۱۲/۱۴۳۸ھ
۱۴/۹/۲۰۱۷ء

تقریظ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله و أصحابه ومن تبعهم أجمعين ، أما بعد :

برادر عزیز مولانا محمد فرمان صاحب ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) نے جو تصنیف وتألیف کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں، استاذ محترم مرشدی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) کی ان مجلسی باتوں کو جو عشاء بعد کی مجلس میں طلباء کے سامنے فرماتے ہیں بڑے اچھے اور مرتب انداز میں جمع کردیا ہے، جو طلبہ کے لئے خصوصا بہت مفید ہیں، اس لئے کہ ان افادات میں دینی واصلاحی باتوں کے ساتھ تفسیری وتدریسی باتیں بھی بیان فرمائی گئی ہیں، جو مولانا کی تدریسی زندگی کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں، علمی اور ادبی باتیں بھی بڑی خوبی وزود فہم انداز میں بیان کی گئی ہیں، اس لئے کہ مولانا بہت ہی علمی اور دو دو چار کی طرح سمجھ میں آنے والی مثالوں اور نظائر کے ذریعہ اپنی بات سامع کے دل میں اتارنے کی بڑے سادے انداز اور سلیس زبان پر قدرت رکھتے ہیں۔

چونکہ یہ مجالس طلبہ واساتذہ ہی پر مشتمل ہوتی ہیں، اس لئے ان میں زبان وادب سے متعلق باتیں بھی بڑے آسان فہم انداز میں بیان کردی گئی ہیں، جن سے زبان وادب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور معاشرہ کی اصلاح کا کام بڑی آسانی سے لیا جاسکتا ہے۔

طلباء کی علمی فکری صلاحیت کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی رنگ میں رنگنے اور ان کے اندر دینی غیرت وحمیت اور جوش وولولہ پیدا کرنے میں چونکہ نصاب تعلیم کا بڑا دخل ہوتا ہے، اس لئے صاحب افادات نے اپنی خاندانی خصوصیات کے ساتھ پروقار، سنجیدہ اور متوازن انداز میں ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم پر سیر حاصل گفتگو فرمائی

ہے، جس کی افادیت کو ہر وہ شخص جو خلوص وللّٰہیت کے جذبہ کا حامل ہے، نہ صرف یہ کہ تسلیم کرے گا، بلکہ اس کے دل سے دعاء نکلے گی۔

اس پس منظر میں یورپ کے ادب کا تذکرہ ضروری ہے کہ وہ اخلاقی قدروں سے خالی محض تفریح طبع کے لئے ہوتا ہے، جس میں ایسی فحش باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، جن سے معاشرہ اخلاقی انارکی کا شکار ہوتا ہے، گھریلو اور خاندانی نظام درہم برہم ہوتا ہے، کچھ ملحد عرب ادباء کے اس ادب سے متاثر ہو جانے کی وجہ سے نوجوانوں پر بڑا غلط اثر پڑ رہا تھا، اس لئے رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا، جس کو ان افادات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ان افادات میں تاریخی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں، جن سے ہر عالم دین اور داعی کا واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ کما حقہ وراثت نبوت کا حق ادا نہیں کر سکتا، ایک بزرگ کا قول ہے کہ کوئی چیز تجربہ کا بدل نہیں بن سکتی، چونکہ صاحب افادات اپنے علم وفضل اور سوز ِدروں کے ساتھ ساتھ سات دہائی سے زائد مدت کا تجربہ رکھتے ہیں، ملکوں ملکوں کے سفر اور قوموں کے مزاج وطبائع کا بھی مشاہدہ کیا ہے، اس لئے یہ افادات غیر معمولی فوائد اور معلومات کے حامل ہیں، اللہ تعالی جزائے خیر دے مولانا محمد فرمان صاحب ندوی کو کہ ان افادات کو جمع کر کے انہوں نے بڑا مفید کام انجام دیا ہے، راقم سطور کو بھی اکثر مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ افادات خصوصا طالبان علوم نبوت کے لئے بہت مفید ہوں گے، اللہ تعالی مولانا محمد فرمان صاحب کو جزائے خیر دے کہ اس مفید کام میں اس ناچیز کو بھی شریک کر لیا۔

راقم الحروف
شمس الحق ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۳/۱۲/۱۴۳۸ھ
۱۴/۹/۲۰۱۷ء

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

اہل اللہ کی مجالس کے قلمبند کیے جانے کا رواج صدیوں سے جاری ہے، اور ماشاء اللہ اس میں روز افزوں اضافہ بھی ہو رہا ہے، یہ مجالس علم وعمل کا مرقع، تکلف وتصنع سے پاک اور دل سے نکلے ہوئے افادات پر مشتمل ہوتی ہیں، جن سے نہ صرف یہ کہ علم میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ دل کی دنیا بدلتی ہے اور پوری زندگی میں انقلاب آجاتا ہے، حسن بصریؒ، ابن جوزیؒ، جنید بغدادیؒ وغیرہ کی مجالس کی تاثیر کا آج بھی زمانہ گواہ ہے۔

شروع ہی اللہ تعالی نے یہ نظام بنایا ہے کہ دین کی نشر واشاعت رجال اللہ اور کتاب اللہ کے ذریعہ سے ہو، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے جاتے رہے، اور ان کو آسمانی کتابیں اور صحیفے دیئے جاتے رہے، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالی نے ایک جامع کتاب قرآن مجید عطا فرمائی اور قابل فخر آسمانی تربیت سے مزین فرمایا، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی اسی نہج پر تربیت کی، اور بحمد اللہ اسی نبوی مشن کو لے کر وارثین علوم نبوت آگے بڑھتے رہے، اور ان شاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

بیسویں صدی عیسوی میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ علم ومعرفت کا جو کارواں تشکیل پایا، ان میں مخدومی ومرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ولادت ۱۹۲۹ء) کی شخصیت سرفہرست ہے، مالک کون ومکاں نے مخدوم ومعظم کو علم وعمل کی عظیم بلندیوں پر فائز فرمایا ہے، وہ بے شمار خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایک تجربہ کار مربی اور قابل رشک معلم ہیں، نسلوں کی تربیت کا عظیم الشان کام سالہا

سال سے اسی نبوی مشن پر انجام دے رہے ہیں۔اللہ تعالی آپ کا سایہ تادیر قائم ودائم فرمائے۔

تعلیم وتربیت مخدوم ومعظم کا محبوب عمل ہے، پوری زندگی اسی میں صرف ہورہی ہے، اسی کے لئے تصنیف وتالیف کے سلسلے،وعظ وتقریر کے زمزمے ہیں،اجتماعی وانفرادی ملاقاتیں، اور دینی واصلاحی مجالس ہیں،ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں عشاء کی نماز کے بعد مسلسل حضرت کی علمی،ادبی،اصلاحی مجلسیں ہوتی ہے،ان میں عالم اسلام کے حالات کا مبصرانہ تذکرہ، انسانی قدروں کی تفصیل،مسلمانوں کو اسلامی صفات کا حامل ہونے اور نامناسب صفات سے دور رہنے کی تلقین،نیز طلباء کی ذہنی،فکری،علمی،عملی تربیت کے رہنما اصول،اور زبان وادب میں مہارت پیدا کرنے کا مرتب لائحہ عمل پیش کیا جاتا ہے،اس طرح یہ مجالس متنوع خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں،اس موقع پر ہم دونمونے بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

ایک نمونہ بقلم حضرۃ الاستاذ جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ ملاحظہ فرمائیں،وہ لکھتے ہیں:"ایک مرتبہ"حین"کا لفظ آیا،وقت کے معنی میں،تو اس کی تشریح میں فرمایا کہ حَانَ يَحِيْنُ حِيْنًا کے معنی کسی کام کے وقت کا قریب آنا،جیسے کہتے ہیں:حَانَتِ الصَّلَاةُ (یعنی نماز کا وقت قریب آگیا)اس کی جمع أحیان۔جیسا کہ عربی کے ایک شاعر کے شعر میں ہے :

وَأَحْيَانًا عَلَى بَكْرٍ أَخِيْنَا   إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

(اور کبھی اپنے بھائی بکر پر حملہ آور ہو جاتے ہیں،جب ہم اپنے بھائیوں ہی کو پاتے ہیں)۔

فرمایا:اگر حین کے فاءکلمہ کو مفتوح پڑھا جائے یعنی حَيْنٌ تو اس کے معنی ہلاکت کے ہیں،اسی سے آتا ہے:حَيَّنَهُ اللّٰهُ (اللہ تعالی نے اس کو آزمائش میں مبتلا کر دیا۔)"۔

(۴۸ رسال شفقتوں کے سایہ میں:۸۴)

پیش نظر رسالہ سے دینی واصلاحی مجالس کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:

"اصل یہی ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے لئے کام کرے،نام ونمود اور شہرت وقتی ہوتی ہے،اس میں پائیداری نہیں ہوتی،شہرت کے لئے کام کرنا دنیاداری ہے،سیرت کی

کتابوں میں آتا ہے کہ ایک صاحب کو کسری کا تاج ملا، وہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا، انہوں نے سیدھے لاکر بیت المال میں جمع کردیا، جب بیت المال کے انچارج نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا: جس کے لئے میں نے یہ کام کیا ہے وہ میرا نام جانتا ہے"۔

اس طرح بے شمار لعل و گہر اس مختصر سے رسالہ میں موجود ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے آخری دور میں ان کی مجالس میں راقم کو شرکت کا موقع ملا، آج بھی وہ لمحات زندگی کے نہایت قیمتی اور انمول لمحات ہیں، حضرت کے وصال کے بعد مخدوم گرامی قدر دامت برکاتہم کی مجالس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اس رسالہ میں انھیں مجالس کے چند افادات مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حضرۃ الاستاذ جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے نہ صرف یہ کہ تمام افادات کو بنظر غائر پڑھا، بلکہ احقر کی درخواست پر بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمادیا، فجزاه الله خير الجزاء۔ اسی طرح راقم کی خواہش پر ندوۃ العلماء کے پندرہ روزہ ترجمان تعمیر حیات کے مدیر مسئول استاذ محترم جناب مولانا شمس الحق ندوی زید مجدہ اور مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات) نے بھی اس رسالہ کو از اول تا آخر دیکھا اور مفید مشورے دئے، علیا ثانیہ ادب کے طالب علم محمد عادل سے اس رسالہ کی تیاری میں بیش قیمت مدد ملی۔ وفقه الله لما يحبه ويرضاه۔

مکتبہ ندویہ کے ڈائریکٹر برادر معظم مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی حفظہ اللہ کا اگر شکریہ نہ ادا کیا جائے تو بڑی ناسپاسی ہوگی، جن کی توجہ سے یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی سب سے پہلے اس رسالہ کے مرتب کو ان افادات کا حامل بنائے اور صاحب افادات مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، اور اس رسالہ کو نفع عام کا ذریعہ بنائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

راقم الحروف

محمد فرمان ندوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۶ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

۲۷ر ستمبر ۲۰۱۷ء

دینی واصلاحی افادات

نعمت اسلام پر شکر:

فرمایا: ہماری شان یہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے مسلمان ہونے پر ناز کرتے ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوں کہ اللہ نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کیا اور اسلام جیسی عظیم نعمت سے نوازا، میں نے طلبہ سے بارہا کہا کہ آپ شکر ادا کریں کہ اللہ نے آپ کو دینی علوم کے لئے منتخب فرمایا، ورنہ آپ بھی ملحدوں کے اسکول وکالج میں پڑھتے ہوتے۔ ترکوں میں یہ بات تھی کہ وہ بار بار کہتے تھے: الحمد لله علي الإسلام ۔(اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے اسلام جیسی دولت سے نوازا)۔ یہ بات ہم میں بھی پیدا ہونی چاہئے۔

اسلام ایک کلچر نہیں، مکمل دین اور مستقل تہذیب:

فرمایا: آج اسلام کو کلچر سمجھ لیا گیا ہے، جیسے ہر قوم کا اور ہر ملک کا ایک تمدن و کلچر ہوتا ہے، ویسے اسلام بھی ایک کلچر ہے، عمل کرو تو بھی صحیح، نہ کرو تو بھی صحیح، اس سے بڑھ کر کیا خطرے کی بات ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں جو کرنے کے کام ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) ہم اپنے بچوں کو ایسے ماحول میں رکھیں، جس سے ان کے دین کی حفاظت ہوتی ہو، افسوس ہے کہ آج ماں باپ ہر چیز کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن دین کی حفاظت نہیں کرتے۔

(۲) مکاتب کھولے جائیں، جن میں چند دن ہی سہی، بچوں کو دین کی اہم بنیادوں سے واقف کرا دیا جائے، اس عمر میں وہ دین کی بنیادوں سے واقف ہو جائیں گے، تو زندگی کے ہر مرحلہ میں وہ ان کے کام آئیں گی۔

(۳) اسلام کی نعمت پر صبر و شکر کا جذبہ ہو۔

انسان کے پیدا کئے جانے کا مقصد:

اللہ نے انسان کو کھانے پینے کیلئے پیدا نہیں کیا ہے ، جانور بھی کھاتا پیتا ہے، انسان کے ہر کام کیلئے مصلحت ضروری ہے، میں یہ کام کیوں کررہا ہوں؟ علم حاصل کررہے ہیں تو کیوں؟ اور اس طرح اگر آدمی کسی درسگاہ کا قصد کرتا ہے، چاہے عمداً ہو، یا زبردستی ہو تو وہاں کی اہمیت اور جانے کا مقصد ہونا چاہئے، جہاں ہم جارہے ہیں، کیسی جگہ ہے وہ، اور ہم کیوں جارہے ہیں؟

دعوت کا کام عذاب الٰہی کو روکنے والا:

مولانا شمس الحق صاحب ندوی (مدیر مسئول پندرہ روزہ تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے سوال کیا: حضرت! ہم نے ایک مضمون پڑھا، جس میں حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) نے لکھا ہے کہ حکومت والوں سے لڑنے کے بجائے ان کو دعوت دینی چاہئے، ورنہ اور بغاوت بڑھ جائے گی، ہم کو اچھا لگا، سوال کیا گیا کہ اس وقت ہم کو کس طرح دعوت پیش کرنی چاہئے، حضرت نے فرمایا: اس وقت جو اہم ذریعہ ہے، وہ ذرائع ابلاغ اور لٹریچر ہے، مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) کا لٹریچر دیکھئے، اگرچہ مولانا نے یہ بات بہت پہلے لکھی ہے، لیکن وہ لٹریچر ابھی بھی کام آتا ہے، حضرت نے فرمایا: جی! اس امت کو اللہ تعالیٰ نے امت دعوت بنا کر بھیجا ہے، حدیث میں ہے: "بَلِّغُوا عَنِّي وَ لَوْ آيَةً (میری طرف سے پہونچادو، خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) جہاں دعوت کا کام ہوتا ہے، وہاں عذاب نہیں آتا، جہاں بڑے بڑے طوفان آتے ہیں، وہاں ضرور برائیاں ہوتی ہیں، اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے، اس لئے کہ حالات ہر جگہ خراب ہیں، ورنہ لوگوں کا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی بات سننے کو تیار نہیں۔

اللہ کی رضا کے لئے کام کرنا:

فرمایا: اصل یہی ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے لئے کام کرے، نام ونمود اور شہرت وقتی ہوتی ہے، اس میں پائیداری نہیں ہوتی، شہرت کے لئے کام کرنا دنیاداری ہے، سیرت کی

کتابوں میں آتا ہے کہ ایک صاحب کو کسریٰ کا تاج ملا، وہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا، انہوں نے سیدھے لاکر بیت المال میں جمع کردیا، جب بیت المال کے انچارج نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا: جس کے لئے میں نے یہ کام کیا ہے وہ میرا نام جانتا ہے۔

تربیت کی ذمہ داری والدین پر:

حضرت نے فرمایا: اسلام کے علاوہ تمام مذاہب ختم ہوگئے ہیں، اور جو مذاہب کے نام پر ہیں وہ بھی اخلاق سوزی کے اڈے ہیں، اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا حال ہے، کیونکہ کوئی بتانے والا نہیں، سب کے سب تعلیم سے خالی ہیں، تب تو یہی ہوگا، کم سے کم یہ ہے کہ آپ کے ماں باپ جو زبان بولتے ہیں وہی سیکھیں، وہ بھی نہیں سیکھتے، چھوٹے چھوٹے بچے ان سے ماں باپ انگریزی بولتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں باپ خود زبان سکھانا نہیں چاہتے، جب زبان نہیں سیکھیں گے، تو اخلاق کیا سیکھیں گے، مدارس نہ ہوتے تو اردو کو پڑھنے والے بہت کم ہوتے۔

علم اور عقل کا رشتہ:

فرمایا: انسان کو اللہ نے ایک خصوصیت یہ دی کہ اس کو عقل دی، اور علم سے بھی نوازا ہے، علم کی صلاحیت دی کہ معلومات کے ساتھ زندگی گذارے، اور زندگی کے مزے لے سکتا ہے، عقل دی کہ ہمارے لئے کیا فائدہ مند ہے، کیا نقصان دہ ہے، عقل راہ بتاتی ہے، اور علم غلط اور صحیح کا فیصلہ کرتا ہے۔

رزق کا غیبی انتظام:

فرمایا: رزق پہونچانے کے بہت سے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں، مگر افغانستان کے سفیر شیخ محمد صادق مجددی نے اپنا واقعہ سنایا، ایسا کہیں سنا نہ پڑھا، حکومت افغانستان روسی حکومت کے پاس کوئی پیغام پہونچانے کیلئے ان کو روس بھیجنا چاہتی تھی کہ یہ ایسا پیغام ہے، جس کو نہ فون پر پہونچایا جاسکتا ہے، نہ کسی اور ذریعہ سے، اس لئے آپ کا

جانا ہی ضروری ہے، یہ راضی ہو گئے، مگر چونکہ روس میں حکومت کمیونسٹوں کی تھی، اور یہ صالح شخص تھے، انہوں نے سوچا کہ وہاں حلال غذا ملنی مشکل ہے، مشتبہ تو ضرور ہوگی، لہذا دو چار دنوں کے لئے جب تک وہاں قیام کرنا تھا، کھانا تیار کر کے لے گئے، تا کہ وہاں کی کوئی چیز کھانی نہ پڑے، اس زمانہ میں افغانستان سے ماسکو تک کے لیے براہ راست جہاز نہیں تھا، تاشقند میں جہاز بدلنا پڑتا تھا، جب وہ تاشقند پہونچے تو وہاں دیکھا کہ دو عورتیں مری ہوئی چڑیا زمین سے اٹھا رہی ہیں، اور اس کا پر الگ کر کے صاف کر رہی ہیں، تو انہوں نے ان سے کہا: یہ جائز نہیں ہے، ان عورتوں نے کہا: لیکن ہمارے لئے جائز ہے، وہ سمجھ گئے کہ کیا صورت حال ہے، یعنی وہ حالت اضطراری ہے، ان سے یہ چیز دیکھی نہ گئی، فوراً گئے اور اپنا پورا توشہ دان ان کو بھیجا کہ آگے اللہ حافظ ہے، جوں ہی انہوں نے کھانا ان کے لئے بھیجا، اچانک ٹیلی فون بجنے لگا، اٹھایا تو افغان حکومت کا فون تھا، صادق مجددی کہاں ہیں؟ ان سے فون پر کہا گیا کہ آپ کو اب ماسکو جانے کی ضرورت نہیں، وہ کام ہو گیا ہے، آپ واپس آجائیں، اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالی نے صرف ان خواتین کے لئے کھانا پہونچانے کی خاطر اتنا لمبا سفر کرایا۔

مکھی کی ناشکری (کفر الذباب):

فرمایا: ایک مکھی تھی، اس نے سوچا کہ لوگ کتنے عاجز ہیں کہ اڑ نہیں سکتے، وہ آزاد نہیں ہیں، مجبور ہیں، میں جہاں چاہوں رہوں، اور جس جگہ چاہوں بیٹھوں، وہ اسی زعم میں تھی کہ ایک چڑیا آئی اور اس کو کھا گئی۔ یہ ناشکری کی مثال ہے، جو انسان کو پستی میں ڈال دیتی ہے۔

انسان کے اندر بے پناہ صلاحیت ہے:

فرمایا: اللہ تعالی نے انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں، صلاحیتوں کی مثال تخم کی سی ہے، اگر تخم کی رعایت رکھی جائے گی تو ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرے گا، بچوں میں تخم کی رعایت رکھی جائے گی تو وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کریں

گے، بچوں کے اندر غیر معمولی استعداد ہوتی ہے، اس کے لئے تین اہم کام ہیں: (۱) ماحول کو اچھا بنانا (۲) مسجدوں سے جوڑنا (۳) مکتب میں تعلیم کے لئے بھیجنا۔

تربیت کا اثر:

فرمایا: ایک بڑے ادیب تھے، وہ بہت سیکولر (غیر مذہبی) مزاج کے حامل تھے، بعد میں وہ بڑی اسلامی شخصیت ہوئے اور اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دیں اور شہید ہوئے، انہوں نے تفسیر لکھی تو اس کے مقدمہ میں لکھا کہ لوگ مجھے تفسیر لکھنے پر حیرت واستعجاب سے دیکھ رہے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میری والدہ ایام طفولت میں جب قرآن کی تلاوت کرتی تھیں تو میرے اوپر اس کا نقش قائم ہوتا تھا، وہی نقش آج بھی قائم ہے، جس سے متاثر ہو کر تفسیر لکھ رہا ہوں۔

اللہ کی غیرت کا مظہر:

فرمایا: قرآن کریم کی آیت : قُل أرَأيتُم ان أصبَحَ مَاؤكُم غوراً فَمِن يَأتيكُم بمَاء مَعِين کا ترجمہ ہے: (اگر زمین کا پانی خشک ہو جائے تو کہاں سے پانی لاؤ گے) ایک شخص بڑا منچلا تھا، اس نے کہا: ہم دوسری جگہ کنواں کھود کر پانی کا انتظام کرلیں گے، گویا اس نے گستاخانہ جملہ کہا، اللہ کا فیصلہ ہوا کہ اس نے اس کی آنکھ کا پانی خشک کر دیا، وہ شخص نابینا ہو گیا، سچ کہا ہے کہ گستاخانہ جملے تقدیر کو بدل دیتے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

باطنی اصلاح:

سوال کیا گیا: حضرت تصوف سے بڑھ کر کوئی باطنی اصلاح کا راستہ ہے؟

حضرت نے جواباً فرمایا: باطنی اصلاح کا نام ہی تصوف ہے، دو چیزیں ہیں۔ (۱) دنیا کی محبت (۲) نفس کی اطاعت۔

صوفی کہتے ہیں: انسان دنیا کی محبت سے دور ہو، اور اس کے اندر سے نفس کی اطاعت ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ نَهَى النَفس عن الهوى فان الجنة هى

المـاوى "(اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے)
اور اسی کو تزکیہ بھی کہتے ہیں، تصوف و تزکیہ دونوں ایک ہی چیز ہے، اللہ رب العزت فرماتا ہے:
قـد أفلح من زكاها ، و قد خاب من دساها (کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے
نفس کو سنوارا، اور سراسر گھاٹے میں رہا وہ شخص جس نے اسے خاک میں ملا دیا)۔

غیبت:

فرمایا: بعض برائیاں چھوٹی لگتی ہیں، لیکن نہایت خطرناک ہوتی ہیں مثلاً غیبت، ریاء، کبر وغیرہ، غیبت سے آدمی کو لطف آتا ہے، یہ آدمی کی بیوقوفی وحماقت کی بات ہے کہ وہ خود کو نقصان اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اس طور پر کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والوں کی نیکیاں جس کی غیبت کی جائے اس کو دے دی جائیں گی۔ بعض دفعہ انسان اس سے خطرناک برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اس کو احساس تک نہیں ہوتا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے صدر شعبہ عربی مولانا نذر الحفیظ ندوی نے کہا: میں نے مولانا سید ابوبکر حسنیؒ سے پوچھا، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نہایت بے تکلف دوست تھے، آپ کے نزدیک حضرت مولانا کی اہم خصوصیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں حضرت سے بہت بے تکلف تھا، پھر بھی آپ نے تنہائی میں بھی کسی کی غیبت نہیں کی، اور جب کسی کا خراب تذکرہ ہونے لگتا، ہاتھ کے اشارہ سے روک دیتے، حضرت نے بھی اس بات کی تائید کی، یہ آپ کی خصوصیات میں ایک اہم خصوصیت ہے۔

تدبیر اور توکل:

فرمایا: تدبیر کرنا اور توکل کرنا دونوں ضروری ہے، غزوۂ بدر اور غزوۂ خندق کے موقع پر یہی اسوہ سیرت کا ملتا ہے، تدبیر پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنے کی مثال غزوۂ حنین میں پیش آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کو اپنی طاقت پر اعتماد تھا (اذ أعجبتكم كثرتكم) اور بدر میں توکل کی طاقت نظر آئی۔

مکاتب کا قیام:

فرمایا: مسجدوں میں مکاتب کا نظام قائم کرنا آسان ہوتا ہے، کیوں کہ امام و مؤذن اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں تعاون کرتے ہیں، مکاتب کا قیام زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیئے، کیونکہ بنیادی معلومات کا علم معاشرہ کے ہر طبقہ کے لئے ضروری ہے، عالم بننا یا فاضل ہونا چند لوگوں کی ضرورت ہے۔

بڑے خطرہ کی بات:

فرمایا: ہم لوگوں کو ایسی نعمتیں دستیاب ہیں، جو دنیا والوں کو بھی نہیں ملتی ہیں، کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیں کہ تم کو دنیا میں دیا جا چکا، اب آخرت میں تمہارے لئے کچھ نہیں، یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔

قبروں کے پاس مراقبہ کی کوئی شرعی دلیل نہیں، صرف بزرگوں کا عمل:

فرمایا: قبروں کے پاس مراقبہ کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، بس بزرگوں کے واقعات میں اس کا ثبوت ملتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اصل ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ تکیہ تشریف لائے تھے، انہوں نے حضرت شاہ علم اللہؒ کی قبر کے پاس مراقبہ کیا، تھوڑی دیر کے بعد آئے، اور کہا کہ ہم حضرت سید احمد شہید کو بڑا بزرگ سمجھتے تھے، یہ ان سے بھی اونچے مرتبہ کے بزرگ ہیں۔

انسان کی صلاحیتیں:

فرمایا: انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات رکھی ہیں، وہ ان خصوصیات کو استعمال کر کے قابل ذکر کارنامے انجام دے سکتا ہے، وہ بعض اوقات انہیں صلاحیتوں کی بناء پر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے، نمرود کو بھی اسی کا غرہ تھا، اس نے بھی خدائی کا دعویٰ کیا، حضرت ابراہیمؑ نے اس سے مکالمہ کیا، اس نے کہا: میں خدا ہوں، حضرت ابراہیمؑ

نے کہا: یہ کیسے؟ اس نے کہا: میں بھی مارتا جلاتا ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے کہا: اللہ مشرق سے سورج نکالتا ہے، تم مغرب سے نکال کر دکھاؤ، وہ ہکا بکا رہ گیا۔ (فبُهت الذی کفر)۔

مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ ہمارا رویہ:

فرمایا: کئی ایسے مواقع پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کو قتل کرا سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے تحمل و برداشت کا پہلو پیش نظر رکھا، اس اندیشہ سے کہ کہیں دور کے افراد یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کا قتل کراتے ہیں، حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے بھی اہل مکہ سے مخبری کرنے کیلئے خط لکھا، اس موقع پر بعض لوگوں کی رائے ہوئی کی ان کو قتل کر دیا جائے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ٹال دیا، اور کہا کہ یہ بدری صحابی ہیں، اور اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔

فرمایا: منافقین نے ہر موقع پر خاندان نبوت کو بدنام کرنے کی کوشش کی، واقعۂ افک میں یہی صورت پیش آئی، اور ایک جنگ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ لَئِن رجعنا اِلی المدینۃِ لیخرجن الأعز منها الأذل (المنافقون: ۸) (ہم مدینہ لوٹیں گے تو باعزت ذلیل کو نکال دیں گے)، اس آیت میں "اَذل" سے مسلمانوں کو مراد لیا، اور "اَعز" سے اپنے کو مراد لیا، اس جملہ کو سن کر مسلمان سخت ناراض ہوئے، خود اس کے بیٹے عبداللہ جو مسلمان تھے (عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی بن سلول) نے کہا کہ یا رسول اللہ: میرے باپ نے بڑا ظلم کیا، کوئی اور قتل کرے گا تو ہو سکتا ہے قبائلی نخوت بھڑک اٹھے، اور میرا دین خطرہ میں پڑ جائے، اس لئے ایک درخواست ہے کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ٹال دیا، بالآخر وہ مدینہ میں داخل ہونے کی جگہ کھڑے ہو گئے، اور کہا: جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، اس وقت تک وہ عبداللہ بن ابی کو داخل ہونے نہیں دیں گے، تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور اجازت دی، اور عبداللہ بن ابی مدینہ میں داخل ہوا۔

ایمان بالغیب کا مطلب:

سوال کیا گیا کہ بعض نمازیں جہری ہیں، اور بعض سرّی، اس کی کیا مصلحت ہے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دن کی نمازوں کو سرّی رکھا، اور رات کی نمازوں کو جہری، در حقیقت اسی کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے، کسی چیز کی مصلحت سمجھ میں نہ آئے، پھر بھی ماننا، جن لوگوں نے حکمت پر بحث کی ہے، وہ قیاسی ہے، بنیادی بات یہی ہے کہ آج انسان سرّی اور جہری سے متعلق بات کر رہا ہے، اور کل رکعت کی تعداد اور دیگر امور پر اظہار خیال کرے گا۔

اسلام دعوتی مذہب، نہ کہ جہادی:

فرمایا: اسلام دعوتی مذہب ہے، نہ کہ جہادی، جہاد ایک ذریعہ ہے، دعوت ہی تمام مسائل کا حل ہے، ہندوستان میں دعوت کے بہت مواقع ہیں، یہاں صراحت اور حقیقت بیانی ہے، دوسری جگہوں میں ظاہر داری ہے، اس لئے دعوت میں دشواری ہے۔

زمین و آسمان کا تعلق چار چیزوں سے مربوط:

فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں، جن سے زمین و آسمان کا رشتہ قائم ہے: کعبہ، قرآن، نماز اور رسول اللہ ﷺ کی ذات۔ کعبہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک نور ہے، جس کا تسلسل بیت المعمور سے وابستہ ہے، اس وجہ سے مشائخ نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ پر ایسی نگاہ ڈالی جائے کہ اوپر سے نیچے کی طرف دیکھا جائے، تاکہ نور منتقل ہو، اور خانہ کعبہ کے حدود میں گناہ کا ارادہ کرنا بھی زبردست سزا کا باعث ہے، اور ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔

جائز آمدنی کے اثرات:

فرمایا: جائز آمدنی کا اچھا اثر قائم ہوتا ہے، اور ناجائز آمدنی کے غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں، ظاہری طور پر اسباب عیش کی کثرت ہوتی ہے، لیکن دسیوں قسم کی بیماریاں گھیر لیتی ہیں، اور انسان اس میں گھر کر لطف سے محروم ہو جاتا ہے۔

نکاح ایک معاہدہ:

فرمایا: نکاح ایک معاہدہ ہے، معاہدہ میں ایک دوسرے کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اگر ایک، دوسرے کا لحاظ نہیں رکھتا ہے، تو ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ معاہدہ ختم کردے، مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کی شکل میں یہ سہولت حاصل ہے۔

مسنون دعوتوں کے اثرات:

فرمایا: جو سنت کے مطابق کھانے ہوتے ہیں، ان کا لطف ہی الگ ہوتا ہے، مثلاً ولیمہ، عقیقہ، قربانی، لیکن جس میں دنیاوی غرض ہوتی ہے، اس کا مزا الگ ہوتا ہے۔

ناجائز آمدنی کی ایک جھلک:

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ اپنے ایک متعلق کے گھر گئے، اور تھوڑی دیر میں ان کو کچھ احساس ہوا، تو وہ جوتا اتارنے کی جگہ پہونچ گئے، اور وہاں بیٹھ گئے، لوگ گھبرائے، لیکن صرف یہی پوچھتے رہے کہ یہ گھر کس کا ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت کو کشف ہوا کہ یہ مکان جائز آمدنی سے نہیں بنایا گیا ہے، ناجائز آمدنی میں سود بھی ہے، جس کی مثال پائے خانہ سے دی جاسکتی ہے، اگر کوئی سود کھاتا ہے تو گویا وہ پائے خانہ کھا رہا ہے۔

اہل ایمان کے اثرات:

فرمایا: جہاں اہل ایمان ہوتے ہیں، وہاں اللہ کی رحمت اترتی ہے، اور فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور اگر کافر وہاں ہوں تو وہ اس سے محروم ہوتے ہیں، اور اگر صرف کافر ہوں تو اللہ کی رحمت نہیں اترتی ہے، کافر کو دعا نہ دے کر ان کو دعوت دینی چاہئے، دعوت کا اثر ہوگا اور اس کی قسمت بدل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی تجلی:

فرمایا: ہر چیز پر عکس اللہ کا ہے، وہ چیز فی نفسہ کچھ نہیں، روح نام ہے ایسے ہی

کرنٹ کا، وہ بذات خود کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ نے خود روح ڈالی ہے: و نفخت فیه من روحی (الحجر:۲۹) اسی طرح سورج چاند کی روشنی اصل نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی پیدا کی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ہاتھ، نگاہ، پیر، ہو جاتے ہیں (کنت سمعه الذی یسمع به، و بصره الذی یبصر به، ویده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها)، یہ اس کی الطاف وعنایات کی طرف اشارہ ہے۔

یورپ اور صنف نازک:

فرمایا: یورپ میں عورتوں کے ساتھ بہت ظلم کیا جاتا ہے، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی آئی، اس سے ایک عورت نکلی، وہ قریب کے ایک مکان میں گئی، وہاں سے اس نے دو بنڈل اٹھائے، وہ بمشقت اسے اٹھا رہی تھی، اور گاڑی پر لا کر لوڈ کیا، ساتھ میں ایک مرد بھی تھا، میں نے اپنے رفیق سے پوچھا کہ اس نے اتنا بوجھ کیوں لادا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہاں عورتوں ہی کو یہ سارے کام کرنے پڑتے ہیں، پھر ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ یورپ میں ایک صاحب اپنے جوتے پر پالش کرا رہے تھے، پالش کرنے والی عورت تھی، اس نے سر جھکا کر پالش کرنا شروع کیا، اسی درمیان اس نے ان صاحب سے وطن کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں، اس نے کہا کہ وہاں عورتوں پر تو بہت ظلم ہوتا ہے؟ اس وقت ان صاحب نے جواب دیا کہ اگر آپ شام میں ہوتیں تو پلنگ پر بیٹھ کر آرام کرتیں۔

دعوت اور دفاع دونوں بیک وقت:

فرمایا: دعوت اور دفاع دونوں ضروری ہیں، اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی، اور دفاع میں ذہانت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

تین قربانیاں، اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ اور آنحضور ﷺ کے رفقاء:

فرمایا: حضرت ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ نے تین قربانیاں لیں: (۱) توحید کے مقابلہ میں

کسی چیز کو بھی برداشت نہ کرنا اور آگ میں ڈالا جانا (۲) شیر خوار بچہ کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑنا (۳) جب بچہ بڑا ہوا اور اس سے طبیعت مانوس ہوگئی تو ذبح کا حکم دیا، اسی طرح صحابہ کرام سے بھی تین قربانیاں لیں: (۱) بدر میں (۲) خندق میں (۳) حدیبیہ میں، ان تینوں میں کامیاب ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو (رضي الله عنهم و رضوا عنه (المائدة:۱۱۹) کا خطاب دیا، اور سورۂ فتح کی آخری آیت میں تو بڑی اپنائیت سے تذکرہ فرمایا ہے: محمد رسول الله و الذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم، تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله و رضوانا، سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة، و مثلهم في الانجيل، كزرع أخرج شطأه، فآزره فاستغلظ، فاستوى على سوقه، يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين آمنوا و عملوا الصالحات منهم مغفرة و أجرا عظيما (فتح ۲۹) (محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر زور آور ہیں، آپس میں مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں، ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو، جس نے انکھوا نکالا، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹا ہوا، پھر اپنے تنے پر کھڑا ہوگیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا، تاکہ وہ ان سے کفار کو جلا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)۔ بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ، جو صحابہ کرام کو برا کہتے ہیں، "ليغيظ بهم الكفار" سے امام مالکؒ نے صحابہ کرام سے بغض رکھنے والوں کے کفر کا استدلال کیا ہے۔

نئے خون کی ضرورت:

فرمایا: حضرت مولانا نے ایک رسالہ لکھا ہے: نئے خون کی ضرورت ہے، نئے خون سے مراد نیا حوصلہ، نئی قوت ارادی، جس طرح نئے خون سے قوت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح نئی طاقت کے غیر معمولی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

انسان! اپنی خودی پہچان:

فرمایا: انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت معمولی چیز مٹی سے پیدا کیا ہے، فرشتوں کو نور سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے، لیکن مٹی سے بہت عمدہ چیز بنائی ہے، مثال کے طور پر مٹی سے کمہار ایک خوبصورت برتن بناتا ہے، تو اس میں کھانا کھایا جاتا ہے، ورنہ اسی مٹی پر لوگ پیشاب کرتے ہیں، علامہ اقبالؒ نے انسان کو اس کا صحیح مقام یاد دلایا ہے، ضرب کلیم اور بال جبریل میں اس کی زبردست مثالیں ہیں: وہ کہتے ہیں ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اور ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں، ؏

او غافل انسان! اپنی خودی پہچان

صلاحیت کے استعمال کی ضرورت:

فرمایا: انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں رکھی ہیں، ان کو استعمال کر کے وہ بہت بڑا انسان بن سکتا ہے، وہ صرف نبی نہیں بن سکتا، اس کے علاوہ وہ سب کچھ بن سکتا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم" (التین:٤) (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے)، (ثم رددنا ہ أسفل سافلین (التین:٥) پھر ہم نے اس کو پست سے پست تر کر دیا ہے۔ "الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات" (التین:٦) (مگر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے)، ایمان اور عمل صالح سے انسان مٹی سے اٹھ کر بلندیوں تک پہونچ سکتا ہے۔

محنت کی بنیاد پر پھل:

فرمایا: صلاحیت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں، یہ صلاحیت خواہ کسی کے پاس ہو، مسلم ہو یا کافر، کیونکہ کافر کو بھی اللہ تعالیٰ نے "عبادا لنا " (ہمارے بندے) (الاسراء:٥) سے

تعبیر کیا ہے، ایک دوسری جگہ آیا ہے: لیس بأمانیکم ولا أماني أهل الكتاب ، من یعمل سوء یجز به (النساء ۱۲۳) (نہ تمہاری تمناؤں سے کچھ ہوگا، اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے کچھ ہوا ہے، جو بھی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا)۔

اچھی صحبت اچھی زندگی کی ضامن:

فرمایا: صحابہ کرامؓ کو بلند مقام صحبت کی وجہ سے ملا، اس لئے صحبت کو غنیمت جاننا چاہئے، جن کو مستقل صحبت نہ ملے تو حسب سہولت بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے، قرآن کو سمجھ کر پڑھنا بھی صحبت کے قائم مقامی کرتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حدیث نبوی صحبت نبوی کے قائم مقام ہے، البتہ نیت اور جذبہ کا بڑا اثر پڑتا ہے، دینی کاموں میں مشغولیت عاقبت کو بہتر بناتی ہے۔

بڑے پیمانے پر خدمت کرنے کی ضرورت:

فرمایا: حضرت سید احمد شہیدؒ اور دیگر علماء نے جو خدمات انجام دیں وہ اپنے اعتبار سے بہت عظیم ہیں، انہوں نے ایک نسل کی تربیت کی، جہاد کی تربیت کی، لیکن چونکہ ملک بڑا ہے، اور اس میں بڑے پیمانے پر کی جانے والی کوشش ہی نمایاں اثر رکھے گی، اس لئے سیاسی طور پر زیادہ اثر تو نہیں نظر آیا، کیونکہ اپنوں کی بے وفائی کی وجہ سے ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، لیکن دینی اعتبار سے ان کے خلفاء اور مریدین کا غیر معمولی اثر ہوا، پورا بنگال مولانا کرامت علی جونپوریؒ کی کوشش کا نتیجہ ہے، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ فرماتے تھے: ہم سید صاحب کے تجدید کے سایہ میں ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سید صاحب کی وجہ سے مسلمان ہیں۔

غیرت انسان کو گناہ سے روکتی ہے:

فرمایا: غیرت انسان کو گناہ سے روکتی ہے، جس قدر غیرت ہوگی اسی قدر انسان گناہوں سے دور رہے گا، اسے احساس ہوگا کہ لوگ کیا کہیں گے، شرم سے ڈوب جائے گا۔

دین محفوظ ہے، اوران شاء اللہ محفوظ رہے گا:

فرمایا: اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، تو یہ ضمانت ہے کہ دین محفوظ ہے، دین اوراس کے تمام شعبوں کی حفاظت اللہ کا وعدہ ہے، اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں آپ کو کرسی دوں گا، تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ کرسی پائے کے ساتھ دے، کیونکہ کرسی بغیر پائے کے ہوہی نہیں سکتی۔

قصہ یوسف میں عبرت کے بے شمار پہلو:

فرمایا: حضرت یوسف کے واقعہ میں عبرت کے بے شمار پہلو موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف مراحل سے گذارا، وہ نبی تھے، ان کے والد نبی تھے، دونوں نے غیر معمولی صبر کا اظہار کیا، حضرت یعقوبؑ کو یقین تھا کہ یوسف زندہ ہیں، ان کو بھیڑیے نے نہیں کھایا ہے، اسی طرح بنیامین جب غائب ہوئے تو ان کے متعلق بھی یقین تھا، وہ بھی بحفاظت موجود ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے حضرت یعقوبؑ کی ملاقات کرادی، حضرت یوسف کا واقعہ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اوران کی امت کے داعیوں کے لئے تسلی کا سامان ہو (لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب ، ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذي بين يديه وهدى ورحمة لقوم يؤقنون (یوسف: ۱۱۱) (ان کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے عبرت کے پہلو ہیں، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو گڑھ لی گئی ہو، البتہ گزشتہ کتابوں کی تصدیق ہے، اور ہر چیز کی وضاحت ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے")، کیونکہ ایک نبی کی زندگی میں اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

سورۂ والضحیٰ کا پیغام:

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے یتیمی کی حالت میں زندگی گذاری، چھ سال کی عمر میں والدہ کا انتقال ہوگیا، اور چند سالوں کے بعد دادا کا بھی انتقال ہوگیا، کوئی ذریعہ معاش نہ

تھا، پھر آپ نے تجارت شروع کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی، اور جب خوشحالی آئی اور آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، تو پورا مکہ آپ کا مخالف ہوگیا، جو اپنے تھے، وہ پرائے ہوگئے، بڑی کسمپرسی کے عالم میں آپ نے اپنی زندگی گذاری، چند سالوں کے بعد حضرت خدیجہ اور ابو طالب کا بھی انتقال ہوگیا، ظاہری پشت پناہی کے اسباب معدوم ہوگئے، تو آپ نے سوچا کہ قریبی شہر طائف کے لوگوں میں کچھ افراد تلاش کیے جائیں، جب آپ وہاں تشریف لے گئے، تو انہوں نے آپ کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک کیا، کس بے کسی کے عالم میں آپ ﷺ مکہ واپس آئے ہوں گے، اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی کو گواہ بنا کر آپ کو تسلی دی کہ آپ کے رب نے نہ ہی چھوڑا ہے اور نہ ہی ناراض ہوا ہے، پس آپ تین کام کریں، یتیم کے ساتھ ہمدردی، سائل کی خبر گیری اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر، یہ پوری سورۃ الضحیٰ آپ ﷺ کی تسلی کا سامان ہے۔

کامیابی کے دو نسخے:

فرمایا: اخلاص اور تدبیر سے کامیابی ہوتی ہے، سیرت کے تمام واقعات میں اس کی جلوہ گری ہے، اخلاص میں کمی ہوگی اور تدبیر میں کمی ہوگی تو کامیابی نہیں ہوگی۔

غلط فہمی کا ازالہ ایک اہم ضرورت:

فرمایا: ہندوستان میں غلط فہمیوں کا رواج ہے، غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس خنجر ہے، اس لئے غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے، عوامی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ ابھی تک ہم برادران وطن کو یہ نہیں بتا سکے کہ اذان ونماز کا مطلب کیا ہے، وہ غلط فہمی سے اللہ اکبر میں اکبر سے اکبر بادشاہ کو مراد لیتے ہیں۔

صلح حدیبیہ دراصل ایک امتحان:

فرمایا: صلح حدیبیہ میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کا امتحان تھا، عقل، جذبات کے بالکل خلاف فیصلہ ہوا، لیکن صحابہ کرامؓ نے اس کو انگیز کیا، اولین مرحلہ میں صحابہ جب تعمیل حکم کے

لئے تیار نہیں ہوئے تو رسول اللہ ﷺ بھی متاثر ہوئے، آپ ﷺ نے خیمہ میں موجود حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا، یہ دریافت کرنا اظہار غم کے لئے تھا، کوئی شکایت نہیں تھی، انہوں نے بہت معقول جواب دیا کہ آپ خود پہل کریں، تو لوگ آئیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کچھ خامی کچھ خوبی:

فرمایا: بعض قومیں ایسی ہیں کہ انہوں نے اسلام کی حفاظت طاقت وقوت سے خوب کی، لیکن وہ اسلام کی تبلیغ کا کام اس پیمانہ پر نہیں کر سکیں، ترکوں نے اسلام کی حفاظت خوب کی، لیکن صحیح طور پر اسلام کا تعارف نہ کرا سکے، عرب جہاں گئے وہاں اسلام خوب پھیلا، اور زبان عربی ہوگئی، ہندوستان میں عجمی حکومتیں رہیں، اس لئے وہ بات نہ آسکی۔

منصب امامت موروثی نہیں، صلاحیت وصلاح پر موقوف ہے:

فرمایا: حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انی جاعلك للناس اماما " (سورہ بقرہ:۱۲۴) (میں آپ کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا: "و من ذریتی" اور میرے خاندان میں سے) جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا "لا ینال عهدی الظالمين" (سورہ بقرہ:۱۲۴) (میرا وعدہ ظالموں کے ساتھ نہیں ہے) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے خاندان میں علم نبوت رہے گا، بشرطیکہ اس کے قدرداں ہوں، ناقدری کرنے والوں کو امامت کا منصب نہیں ملتا، سورۂ توبہ میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے کیسے یہ عمل کیا، شرک کا علم ہونے کے ساتھ، فرمایا: ان ابراهيم لأواه حليم" (سورہ توبہ:۱۱۴) یعنی ابراہیم بڑے رجوع کرنے والے اور بردبار ہیں۔

ایک نکتہ:

فرمایا: بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے والے کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، بدر میں تو یہ احساس تھا کہ ہم اس میں مارے جائیں گے، لیکن اللہ کا حکم ہے، اس لئے

عمل کرنا ضروری ہے، اور حدیبیہ میں اپنی ذلت کا احساس چھایا ہوا تھا، عرب کبھی بھی اپنی ذلت گوارا نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ نے فتح قریب کی آیت نازل کی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا یہ فتح ہے؟ جب کہ ہمیں ذلت برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔

شرک بے عقلی پر مبنی ہے:

فرمایا: شرک بے عقلی پر مبنی ہے، معبودوں کی کثرت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو نفع وضرر رکھنے والی ہے، معبود سمجھی جاتی ہے، اسی سے اس کی بے وزنی ظاہر ہوتی ہے۔

ماحول ناگزیر طور پر موثر:

فرمایا: انسانی تاریخ میں پوری جماعت تابع ہو جائے اس کی مثال نہیں ملتی، افراد تو مل جائیں گے، لیکن جماعت نہیں ملے گی، حضرت موسیٰؑ کی قوم ایسی تھی کہ موسیٰؑ کہہ رہے ہیں، لیکن وہ بات نہیں مانتے تھے، بت پرستی کی اجازت مانگ رہے ہیں، بت پرستی اور شرک کے ماحول میں رہتے ہوئے ان کی نفسیات بدل گئی تھیں، ہندوستان میں بھی یہی صورت ہے کہ شرک کے سایہ میں رہتے ہوئے اس کے ناپاک اثرات مسلمانوں پر بھی پڑ رہے ہیں، جس سے ایک بڑی تعداد شرکیہ عمل کو بجالانے میں کوئی کراہت محسوس نہیں کرتی ہے۔

شرک و بدعت سے نفرت ضروری:

فرمایا: ماحول کا بھی بہت اثر پڑتا ہے، بت پرستی اور شرک کے ماحول میں رہ کر شرک کی وہ چیزیں معیوب نہیں رہ جاتیں، جن سے دین وشریعت نے بہت ڈرایا ہے، بنی اسرائیل کا مزاج اسی میں بگڑ گیا تھا، قرآن مجید نے یہ باتیں یوں ہی ذکر نہیں کی ہیں، ہندوستان میں بھی مسلمانوں کو اسی صورت حال کا سامنا ہے، شرک سے جو نفرت ہونی چاہئے، اور جو بدعات داخل ہو جاتی ہیں، ان سے جو دوری ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، اور جو لوگ بالکل ہندوانہ ماحول میں رہتے ہیں، ان پر اس کا زیادہ اثر پڑتا ہے، اسی لئے ہجرت رکھی

گئی ہے،صرف اپنی فکر کافی نہیں، ماحول ومعاشرہ کی اصلاح کا عمل بھی ضروری ہے،اور یہ اپنی اصلاح اور اپنے گھر کی اصلاح کے بغیر معتبر نہیں،اس کا بہت خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

صبر اجتماعی بھی ہے، انفرادی بھی:

صبر انفرادی بھی ہوتا ہے،اجتماعی بھی ،بعض حالات میں انسان تنہا صبر کرتا ہے،اور بعض حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ صبر کرتا ہے،عربی میں دونوں حالتوں کے لئے الفاظ الگ ہیں،ایک صبر ہے،اور ایک مصابرہ ہے،قرآن مجید نے اہل ایمان سے دونوں حالتوں میں صبر کا مطالبہ کیا ہے:''اصبروا وصابروا''یعنی ذاتی حالات میں بھی صبر اور دوسروں کے ساتھ حالات و معاملات میں بھی صبر سے کام لیا جائے،اس میں انسان جتنا کھرا اترتا ہے،ویسے ہی اس کو ثمرات ملتے ہیں۔

صبر کے ساتھ شکر:

فرمایا: حوادث ،مصائب ،ذاتی بھی ہوتے ہیں ،اجتماعی بھی ہوتے ہیں،اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے،وہ اللہ کا حکم دیکھتے ہیں،اور حفاظت کرتے ہیں،ورنہ رہنا دوبھر ہو جائے: کہا جاتا ہے،بال بال بچے۔بچے نہیں بچائے گئے،فرشتے چاروں طرف لگے ہوئے ہیں:"لـه مـعـقبـت من بين يديه و من خلفه يحفظونه من أمـر الـلّـه " (سورہ رعد:۱۱)(ہر شخص کے لئے اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ دار ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں)اس لئے شکر بھی ضروری ہے،ہر شخص کی زندگی کی یہ دو حالتیں ہیں:صبر یا شکر،ان کا تعلق اصلا دل سے ہے،دل سے صبر ہوتا ہے، اور دل سے شکر ہوتا ہے،دونوں پر اللہ تعالیٰ بہت نوازتا ہے،دنیا میں بھی اس کا فائدہ حاصل ہوتا ہے،اور آخرت میں جو ہوگا وہ الگ ہے۔

صبر وشکر میں اسوۂ حسنہ:

فرمایا:رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ دونوں اسوے ملتے ہیں،طائف کی دعاء

بہت معنی خیز ہے، ایسے حالات میں طائف کا واقعہ پیش آیا ہے، جب آپ ﷺ کے دو بڑے اور نزدیکی حامی و مددگار اٹھا لئے گئے، ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات اور چچا ابو طالب جو والد کے قائم مقام اور آپ کی ہر تکلیف میں سینہ سپر ہونے والے چچا تھے، کی وفات ہوگئی، اور ہر طرف سے آپ کو اعراض کا سامنا ہوا، طائف تشریف لے گئے کہ یہاں سے کچھ مدد ملے گی، وہاں اور سخت معاملہ ہوا، لوگ دشمنی پر اتر آئے، اور ایسا برتاؤ کیا کہ ظاہر میں نظر آیا کہ اب کہیں کوئی مددگار نہیں، نہ قوت، نہ اسباب، اس حالت میں اپنا جو حال بیان کیا ہے، وہ طائف کی دعاء میں پورا پورا آگیا ہے، یہ دعاء بہت معنی خیز ہے، طائف میں جو تکلیف دی گئی، لوگ اس سے سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، بہت سخت تکلیف تھی، آپ نے اپنے رب کے سامنے جو حال بیان کیا ہے، اس سے بھی یہ پیغام ملتا ہے کہ آدمی اپنا حال دل پورا کا پورا اپنے رب کے سامنے رکھ دے، آپ کی دعاء میں کیسی حقیقت کا اظہار اور کیسا توازن ہے کہ فرمارہے ہیں، تکلیف تو ہے، اگر آپ ناراض نہیں تو ہم برداشت کریں گے، لیکن تکلیف دور ہو جائے تو اچھا ہے، اگر آپ ناراض ہیں تو ہم آپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں۔

ایسے ہی عرفات کی دعاء ہے، وہ بھی بڑی معنی خیز ہے، وہ شکر کے مقام و حالت کی ہے، اور طائف کی صبر کی حالت کی دعاء ہے، حضور ﷺ آخری نبی ہیں، سید الاولین و الآخرین ہیں، محبوب رب العالمین ہیں، لیکن کیسی تکلیفیں اٹھائیں، وطن عزیز کو چھوڑنا پڑا، ، سفر ہجرت میں کیسے خطرات سے گزرنا پڑا، بدر و احد کی آزمائش، خندق کی آزمائش، سخت ترین حالات سے گزارا گیا، مکہ معظمہ میں ذاتی تکلیف و آزمائش اور مدینہ منورہ میں اجتماعی مشکلات، سیرت پاک میں دونوں کا اسوہ اور بڑی عاجزی کا نمونہ ملتا ہے۔

اسی طرح سورہ والضحیٰ کے نزول کے اسباب پر غور کیجئے، یہ وہ حالات تھے کہ جیسے کوئی بے یار و مددگار ہو، آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ یہ نہ محسوس ہو کہ ہم آپ کو ناپسند کر رہے ہیں، اللہ نے بعد میں بڑا انعام و مقام رکھا ہے: ما ودعك ربك و ما قلى ، وللآخرة

خیر لك من الأولى، و لسوف یعطیك ربك فترضى "(سورہ والضحیٰ:۵)
(آپ کو آپ کے رب نے نہ چھوڑا ہے، اور نہ آپ سے ناراض ہوا ہے، اور یقیناً آپ کی بعد کو آنے والی حالت پہلی حالت سے کہیں بہتر ہوگی، جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائیں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے)۔

طائف کے بعد معراج کا واقعہ پیش آیا، معلوم ہوتا ہے کہ طائف کا واقعہ اور جنات کے اسلام لانے سے آپ کو یہ بتایا گیا کہ آپ صرف انسانوں کے نبی نہیں ہیں، جنات کے بھی نبی ہیں، دونوں واقعوں سے تسکین وتسلی دی گئی، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ طائف والے اچھا معاملہ کرتے، تو طائف مدینہ ہوتا، مگر طائف والے بچھڑ گئے، اور مدینہ طیبہ کو سب مل گیا، اعراض سے بڑا نقصان ہوتا ہے، جیسے استقبال اور نفرت سے بڑے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

تدبیر کی جائے گی، مگر بھروسہ تدبیر پر نہیں کیا جائے گا:

فرمایا: ایک خاص بات یہ ہے کہ جو ہمیں سیرت پاک سے سبق ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی کوشش پوری کرے، پھر اللہ کی مدد آتی ہے، بدر کے مقام پر آپ جو کر سکتے تھے، کیا۔ پھر رو رو کر دعا کی، خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا، آپ نے یہ نہیں کہا، ہم یہ کیوں کریں؟ اللہ کی مدد آئے گی، مگر آپ نے تدبیر اختیار کی، لیکن بھروسہ تدبیر پر نہیں کیا، اللہ پر کیا، حضور ﷺ تدبیر پوری اختیار کرتے تھے، مگر امید اللہ تعالیٰ سے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو تدبیر کیا کرے گی؟ اللہ تعالیٰ اگر نہ چاہے تو دوا کیا کرے گی؟ انسان دوا کھاتا ہے، اسے جب تکلیف ہوتی ہے، حکم الٰہی ہوتا ہے، فائدہ پہونچتا ہے، اور شفا مل جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اگر کچھ اور منظور ہوتا ہے، تو ویسا پیش آتا ہے، لیکن آدمی کو اللہ تعالیٰ سے امید کر کے تدبیر اختیار کرنی چاہئے، اور اللہ کے فیصلہ پر راضی ہونا چاہئے کہ سب کچھ اسی کا ہے، اور سب کچھ اسی کی قدرت واختیار میں ہے۔

حضور ﷺ کی پوری زندگی جامعیت کی ہے، غار ثور میں چھپنا بھی ایک تدبیر تھی، ورنہ

آپ ﷺ فرماتے کہ اللہ بچائے گا، اور مدینہ منورہ ہجرت کے بعد آپ سریے بھیجتے تھے کہ قریش کے منصوبوں سے غفلت نہ رہے کہ وہ کوئی تیاری تو نہیں کر رہے ہیں، ورنہ آپ کہتے کہ اللہ کرے گا، اصل میں یہ جامعیت ہے، حضور ﷺ تدبیر اختیار کرتے تھے، مگر تدبیر پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، غزوۂ حنین میں بھروسہ کی کمی پر پکڑ فرمائی، اور تنبیہ ہوئی، وہاں تدبیر پوری تھی، ظاہری طور پر لشکر کافی تھا، لیکن اس کا خیال آ گیا تھا کہ ہم بہت ہیں، اور ہماری طاقت ہے، لیکن وہ بھروسہ نہیں تھا جو مطلوب ہے، قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے: "اذ أعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا" (توبہ:۲۵) (جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہوا، تو وہ کچھ بھی تمہارے کام نہ آئی) اور احد میں تدبیر کی کمی کو سبب بتایا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر کی جائے، اور بھروسہ اللہ پر مکمل کیا جائے۔

راضی برضا ہونے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

فرمایا: بدر اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، اور گناہ بخش دیئے، اس میں بھی بڑا پیغام ہے، اپنے جذبات کو اللہ کے حکم کے آگے دبانا اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی اور منشا کو ترجیح دینا یہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ بدر میں تو مسلمان یہ سمجھے کہ ہم بے ہتھیار اور تعداد میں کم ہیں، اس لئے بچنے کا سوال نہیں، ہم سب ختم ہو جائیں گے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی مان کر سامنے آ گئے، اور حدیبیہ میں آخری درجہ کی ذلت محسوس کی، اور پھر یہ کہ بیت اللہ کے طواف کے بغیر اہل مکہ رہ نہیں سکتے، اور یہ موقع مل رہا تھا، اور دبنے کا مزاج نہیں تھا، مگر اللہ کو یہ دیکھنا تھا کہ اس حال میں یہ ہماری کیسی مانتے ہیں، آزمایا، اس میں بھی وہ کھرے اترے، اور جذبات کو بالکل دبا دیا، ایسا دبایا کہ ہوش و حواس گم ہو گئے، کہا جا رہا ہے احرام سے باہر آنے کے لئے بال منڈوا دیے جائیں، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یہ کیسے کریں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے خود پہل کی، تو پھر ان اصحاب نے بھی ایسا کیا، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی کہ اتنی بڑی تعداد ایسی مطیع ہو جائے اس کی نظیر نہیں، چند افراد تو کر لیتے ہیں ایسی بڑی جماعت کرے ایسا نہیں ملتا۔

رشد وہدایت کے انتظامات:

فرمایا :اللہ تعالی نے انسانوں کے رشد وہدایت کے لئے رہنمائی کے متعدد انتظامات فرمائے ہیں،قرآن مجید سارے انسانوں کی ضرورت اور ہدایت کے لئے جامع اور ہمہ جہت رہنمائی کے لئے اور حدیث رسول اور سنت نبوی کو ایمان واتباع دین کو عملی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے کے لئے مقرر فرمایا ہے،اس کو صرف علم میں لانے اور احکام کو جان لینے کے لئے نہیں رکھا ہے، بلکہ عمل میں لانے کے لئے ہے،رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اُن حالات سے گذارا ہے،جن سے دین کو علم سے عمل میں لانے کا فائدہ ہوتا ہے،اور آپ ﷺ کے قول وعمل کو نمونہ اور مثال بنادیا ہے،اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَومَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً (احزاب:۲۱)(تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے، یہ اس شخص کے لئے جو اللہ کی بندگی اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہے، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا رہا ہے)اور سورۂ نجم میں ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ، إِنْ هُوَ إِلا وَحْيٌ يُوحى (نجم:۳-۴)(یہ نبی خواہش نفس کی بناپر کلام نہیں کرتے، بلکہ ان کا کلام وحی ہے، جو اللہ تعالی کی طرف سے ان کو کی جاتی ہے)۔

دین کو عملی شکل میں اختیار کرنے کا بہترین ذریعہ:

فرمایا: دین کو صحیح عملی شکل میں اختیار کرنے کے لئے حدیث وسنتِ رسول ﷺ کا علم کامیاب ذریعہ ہے،اگر ہم دین کو اصلی شکل میں اختیار کرنا چاہتے ہیں تو علم حدیث وسنت میں اس کی اصلی جھلک نظر آتی ہے، یہ اللہ رب العزت کی طرف سے اچھا انتظام ہے کہ قرآن سے جامع ومکمل رہنمائی اور حدیث وسنت رسول ﷺ میں اس کی صحیح جھلک دکھائی گئی ہے،لہذا یہ عجیب بات ہوگی کہ ہم دین سے صرف احکام لیں اور ان کی عملی مثال سے اخذ فیض نہ کریں، اس کے بغیر مطابقِ اصل عمل مشکل ہوگا،ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرف اشارہ

فرمایا: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ (سنن کبری مرتبہ امام بیہقی: ۳۴۴۳) (تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے)، نماز کے تعلق سے یہ بات فرمائی گئی ہے، جو دیگر عبادات وطاعات کے لئے بھی صحیح سمجھے جانی والی بات ہے اور صحابہ کرامؓ کو امت اسلامیہ میں جو امتیاز حاصل ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضورﷺ کو جو کرتے دیکھا اور جو کہتے سنا، وہ براہ راست اخذ کرنے کا ذریعہ بنا، پھر انہوں نے آئندہ آنے والی نسلوں کو بجنسہ نقل کر کے بتایا، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا: أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ (صحیح بخاری) (جو اس موقع پر موجود ہیں وہ اس کو پہونچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہے، کیونکہ بسا اوقات جن کو بات پہونچائی جائے وہ پہونچانے والے کے مقابلہ میں زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے)، اسی طرح شریعت اسلامیہ کے احکام وہدایات عملی شکل میں حضورﷺ سے تا قیامت آنے والوں تک پہونچے اور پہونچ رہے ہیں، حضورﷺ کی نماز کے سلسلہ میں نقل مطابق اصل بنانے کی مثال دی گئی ہے، اس حدیث میں دین کو عملی شکل میں سیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اس طرح سے عمل کے ذریعہ دین کے سب احکام کی تلقین کا سلسلہ قائم ہوا، اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، صحابہ کرامؓ نے حضورﷺ کو دیکھا اور عمل کیا، اور اللہ تعالی نے اپنے رسول کے قول وعمل کو اپنے قول وعمل سے وابستہ بنا دیا، لہٰذا آپﷺ کا قول وعمل قرآن کے قول سے جڑا ہوا ملتا ہے، صحابہ کرامؓ نے حضورﷺ کو دیکھ کر دین سیکھا، ان سے دین کو دیکھ کر عمل کرنے کا سلسلہ جاری ہوا، ہم میں اکثر افراد نے نماز دیکھ کر سیکھی، بڑوں کو دیکھ کر سیکھا، حضورﷺ جس طرح نماز پڑھتے تھے، صحابہ کرامؓ نے اس کو اختیار کیا، دین پر عمل کرنے کے لئے دین والوں سے سیکھا، اس طرح دین کل کا کل قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہو گیا۔

قرآن اصل، حدیث اس کی تشریح:

فرمایا: قرآن کلام الٰہی ہے، حدیث اس کی تشریح وتوضیح ہے، قرآن کو دین کا بنیادی مقام حاصل ہے، لیکن اس کی گہرائی اور متشابہات کی موجودگی کے لحاظ سے تنہا اس پر

اکتفاء کافی نہیں قرار دیا گیا، اس کی وضاحت حدیث کے ذریعہ حاصل کرنا ہوتی ہے، قرآن مجید میں تمام انسانوں کو موضوع بنایا گیا ہے، اور اس کو محکمات اور متشابہات میں رکھا گیا ہے، اور یہ فرمایا گیا ہے کہ محکمات کو اصل ذریعہ استفادہ بناؤ، اور متشابہات کے سمجھنے میں زیادہ نہ پڑو، متشابہات کے معاملہ میں پڑنے والے برے مقصد کو اختیار کرتے ہیں: هُوَ الَّذِىٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ ، وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ، فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِى قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ ، وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ اِلَّا اللهُ ((آل عمران : ٧)۔ (وہ وہی خدا ہے، جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے، اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، غلط بات کی تلاش میں اور اس کے غلط مطلب کی تلاش میں، حالانکہ کوئی ان کا صحیح مطلب نہیں جانتا سوائے اللہ کے)، اس کے لئے اللہ تعالی نے خود قرآن میں نبی ﷺ کے قول وعمل کو قرآن کے مطابق قرار دیا کہ " اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی " کہ حضور ﷺ کی بات کو اللہ تعالی ہی کی بات سمجھی جائے، حدیث شریف کے ذریعہ ہم کو اصل وضاحت ملتی ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ جو حضرات حدیث کی تعلیم وتعلم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا یہ عمل صرف حدیث کو عمل میں لانا نہیں ہے، بلکہ اس کے مطابق عمل اختیار کرنے کی طرف توجہ دلانا ہے، لہذا جو سنت پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالی کی طرف سے ان کو نورانیت ملتی ہے، اور عملی طور پر اس سے استفادہ کرنے پر ان کے اندر ایک تبدیلی اور انقلاب پیدا ہوتا ہے اور ان پر اتباع سنت کا عکس ہوتا ہے، علم حدیث سے صرف علمی استفادہ نہیں، بلکہ اس کو عملی زندگی میں اتارنا بھی مقصود ہے۔

حیات رسول ﷺ زندگی کے لئے عملی نمونہ:

فرمایا: حضور ﷺ کی ذات وصفات کو مؤمن کی زندگی کے لئے نمونہ بنایا گیا ہے

،غالباً اسی لئے اللہ تعالی نے ان کو زندگی کی ان تمام راہوں سے گذارا، جن سے مؤمن کو گذرنا ہوسکتا ہے، حضورﷺ پر مشکل حالات بھی آئے اور آسان بھی ، دونوں طرح کے حالات اس لئے تھے، تا کہ مؤمن کو پیش آنے والے ہر طرح کے حالات میں لوگوں کے لئے نقل واتباع آسان ہو، غزوہ بدر، حدیبیہ اور خندق کے موقع پر سخت حالات آئے، یہ اس لئے تھے، تا کہ امت کے لئے ان حالات میں بھی رہنمائی سامنے آئے، اس طرح زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس کا حل سنت وسیرت میں موجود نہ ہو،، حدیث، رسول اللہﷺ کی زندگی کا عکس ہے، محدثین نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا، وہ دین کے صحیح محافظ اور صحیح ناقل ہیں، ان کی خدمت حدیث کی کوششوں کی اہمیت کا انکار کرنا دین کی ترجمانی کو ناقص بنانا ہے، جو حضرات خوش نصیبی سے اشتغال بالحدیث رکھتے ہیں ان کو اس ناحیہ سے خدمت حدیث شریف کی اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالی نے حدیث وسنت کو اس بات کا ذریعہ بنایا کہ ہم دین کو حضورﷺ کے قول وعمل کے ذریعہ حاصل کریں، اس کے لئے اللہ تعالی نے یہ مقدر فرمایا، اس لئے بڑے بڑے علماء اور محدثین پیدا فرمائے، اور دین پر عمل کرنا آسان بنایا، عصر جدید کے یورپ زدہ مختلف افراد ہیں، جن کو مستشرقین کے نام سے جانا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ دین اسلام کے لئے قرآن کافی ہے، احادیث ضروری نہیں، جب کہ حدیث شریف قرآن ہی کی وضاحت ہے، آپﷺ نے قرآن ہی کو اپنی عملی زندگی میں پیش کیا، اس طرح قرآن وحدیث الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، جس کا تعلق حدیث سے کمزور ہو گا، اس کا دین سے بھی تعلق کمزور ہوگا، قرآن میں آیا ہے کہ کچھ افراد ایسے ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے، قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ اور غلط تاویل کے لئے ، لیکن اہل ایمان دین کو صحیح اور کامل طور پر سمجھنے کے لئے محکمات القرآن کو حدیث شریف کے ساتھ صحیح دین کو سمجھتے ہیں، محدثین نے ہمیشہ محکمات قرآن کے ساتھ حدیث کو موضوع بنایا، اور اسی مشن پر اپنے آپ کو لگایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے

دریافت کیا کہ حضورﷺ کے سیرت واخلاق کیسے تھے؟ فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (شعب الایمان:۱۴۲۸)(ویسے جیسا قرآن میں ملتا ہے)۔

حج :اطاعت وفرمانبرداری کا عظیم مظہر:

فرمایا: حج ایک عبادت ہے، جس طرح نماز عبادت ہے، روزہ عبادت ہے، زکاۃ عبادت ہے، اسی طرح حج بھی عبادت ہے، خوش نصیب ہیں وہ افراد، جو اس عبادت کو ادا کرنے جارہے ہیں۔

حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اللہ تعالی کی توحید وعبادت کی صفت میں عظیم تر شخصیت تھی، ان کی اس صفت پر اللہ تعالی نے ان کو اپنا خلیل بنایا، یہ بڑا مقام اوراعلی مرتبہ ہے، جس سے اللہ تعالی نے ان کو سرفراز فرمایا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: واتَّخذَ اللّٰهُ اِبْراهيمَ خليْلًا (نساء:۱۲۵)(اوراللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت کا راز:

فرمایا: اللہ تعالی نے یہ منصب ان کو ان کی عظیم تر قربانیوں پر عطا فرمایا، جو انہوں نے اپنے رب کی نہایت مخلصانہ بندگی پر دیں۔

ان کی اول قربانی اس وقت سامنے آئی، جب وہ آگ میں جلنے پر راضی ہو گئے لیکن توحید چھوڑنے پر راضی نہیں ہوئے، اور پھر وہ وطن اور خاندان سب کو چھوڑ کر، جہاں وہ عبادت وتوحید کی اشاعت کر سکیں، چلے گئے، اور اپنی قوم کی اس حالت کو برداشت نہیں کیا، وہ اپنے وطن عراق میں تھے،، وہاں کے لوگ جو مشرکانہ عبادت میں مشغول تھے، ان کو قبول نہ کر سکے، انہوں نے ان معبودان باطلہ کے متعلق کہا کہ یہ بے جان ہیں، نہ نفع پہونچا سکتے ہیں، نہ نقصان، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس انداز خطاب پر قوم ان سے ناراض ہوئی، ان کے تعلق سے خفیہ تدبیریں کی گئیں، بالآخر ان کو آگ میں ڈالا گیا، لیکن

اللہ تعالی نے آگ کوان کے لئے بے اثر کردیا، اور وہ آگ ان کو جلا نہیں سکی، حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم سے مایوس نہیں ہوئے، کوئی رد عمل (ری ایکشن) ظاہر نہیں کیا۔ یہ ایک سخت مرحلہ تھا، جس کو ابراہیم علیہ السلام نے بحسن وخوبی طے کیا، اور اس میں کامیابی حاصل کی، قرآن کریم کے سورۂ انبیاء (۵۱۔۷۰) میں اللہ تعالی نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دوسری قربانی وہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، ان کی عمر زیادہ ہوگئی تھی، اولاد کی تمنا فطری چیز ہے، عمر کے اس مرحلہ میں ان کی خواہش پوری ہوئی، اللہ تعالی نے ان کو اولاد دی، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، وہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا ذریعہ بنے، لیکن اللہ تعالی کی طرف سے ان کی بندگی کا امتحان لیا گیا اور حکم ہوا کہ اپنے شیر خوار اور محبوب بچے کو اور ان کی والدہ کو بے آب وگیاہ میدان میں لے جا کر چھوڑ آئیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی، اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو بے آب وگیاہ میدان میں لے جا کر چھوڑ دیا، شیر خوار بچہ، اور اہلیہ کو بے سروسامانی کے عالم میں ایسی جگہ چھوڑنا جہاں کوئی نہ آدم ہو، نہ آدم زاد، اور نہ کھانے پینے کا ذریعہ، بس اللہ تعالی کے حکم کی یہ مشکل تعمیل تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلاتردد پوری کی، یہ اپنی ذات کی پسند اور غیر اللہ سے محبت کی غیر معمولی قربانی تھی۔

و اذ قال ابراهيم رب اجعل هذا البلد آمنا و اجنبني و بني أن نعبد الأصنام، رب انهن أضللن كثيرا من الناس، فمن تبعني فانه مني، و من عصاني فانك غفور رحيم، ربنا انى أسكنت من ذريتي بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم ، ربنا ليقيموا الصلاة فاجعل أفئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون (ابراہیم: ۳۵۔۳۷)۔ (اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے پروردگار! اس شہر مکہ کو امن والا بنا دیجئے اور میرے پروردگار! ان مورتیوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کردیا

ہے، سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے، اور جو کوئی میری نافرمانی کرے، تب تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑی رحمت والا ہے، اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کردیا ہے، تیرے معظم شہر کے قریب، یہ اس لئے اے میرے پروردگار! کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے، اور انہیں کھانے کو پھل دیجئے، جس سے وہ شکر گذار رہوں)۔

زمزم کے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی پانی کی ضرورت پوری ہوئی، وہ وہیں آباد رہے،، حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ مدت گذرنے پر دیکھنے کے لئے کہ دونوں کا کیا حال ہے، آنے جانے لگے، اور اس میں کچھ زادِراہ کا بھی انتظام کردیتے تھے، ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ یمن کے قبیلہ جرہم کا اس علاقہ کے اطراف سے گذر ہوا، اس کو نظر آیا کہ یہاں کچھ چڑیاں منڈلا رہی ہیں، اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ قریب میں پانی کا انتظام ہوگا، چنانچہ وہ قبیلہ آیا، اور حضرت ہاجرہ سے وہاں ٹھہرنے کی اجازت چاہی، حضرت ہاجرہ نے اس کو وہاں آبادی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اور اجازت دے دی، اور وہ زمزم ہی کے قریب آباد ہوگیا، بعد میں حضرت اسماعیل کے بڑے ہونے پر ان کی شادی بھی اسی قبیلہ میں ہوگئی۔ اس طرح اس صحراء میں آبادی ہوگئی۔

تیسری قربانی وہ ہے کہ حضرت اسماعیل جب کچھ بڑے ہوئے اور والد کی محبت و خدمت کا سہارا بننے کے لائق ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کررہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کئی بار جب یہ خواب دیکھا، تو اس کا تذکرہ اپنے بیٹے اسماعیل سے کیا، فرمانبردار بیٹے نے اطاعت و فرمانبرداری کی مثال قائم کردی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لے کر قربان گاہ کی طرف گئے، اور ان کو زمین پر لٹادیا، اور چھری ان کے حلقوم پر رکھ دی، لیکن اللہ کو اصل مقصود امتحان تھا، قربانی نہیں۔ لہذا فرشتہ کے ذریعہ مینڈھا رکھ دیا گیا، حضرت اسماعیل محفوظ رہے، حضرت ابراہیم کا یہ عمل قیامت تک کا مثالی عمل بنا دیا گیا۔ سورۂ

صافات (۱۰۰۔۱۱۱) میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔

یہ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اعلی درجہ کی قربانیاں، آگ میں ڈالے جانے کو قبول کر لینا، اپنی بیوی بچہ کو صحراء میں محض اللہ کی مرضی پر چھوڑ آنا، اور اپنے جوان بیٹے کو اللہ کے حکم پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دینا۔ انسانی تاریخ میں اپنے رب کے حکم پر انتہائی قربانی پیش کر دینے کی مثال قرار دی گئی، حج دراصل انہیں قربانیوں کی یادگار ہے، حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری کا ایک رمز ہے، صفا و مروہ کی سعی ایک مقبول خاتون حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے عمل کی نقل ہے، جانور کی قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی نقل ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وأذن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق ، ليشهدوا منافع لهم ويذكروا اسم الله في أيام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام (الحج: ۲۷۔)(اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، وہ آئیں گے پیدل اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر دور دراز علاقہ سے، تاکہ وہ بے شمار منافع کا مشاہدہ کریں اور تاکہ ایام معلومات میں اللہ کا نام لیں، ان مویشیوں پر جو اللہ تعالی نے ان کو عطا کئے ہیں)۔

مکہ کی غیر آباد و بے آب و گیاہ زمین جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتارے جانے کے بعد اللہ تعالی کی بندگی کے لئے پہلے گھر کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی، جو بعد میں مٹی سے ڈھک گئی، اللہ تعالی کا حکم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو اٹھائیں اور تا قیامت اس کو اللہ تعالی کی عبادت کے لئے اولین گھر بنائیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھائیں اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو بھی اس میں شریک کیا۔ اور دعاء کی کہ اے اللہ! تو اس کو قبول فرما، کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے، اور اللہ تعالی نے ان کی دعاء قبول کی، اور اس گھر کو قیامت تک کے لئے حج کا مرکز بنا دیا، دور دراز علاقوں سے عازمین اس گھر کی زیارت اور

طواف کے لئے آتے ہیں، پہلے زمانہ کے حالات میں سفر حج بہت مشکل ہوتا تھا، دور دراز علاقوں سے لوگ حج کرنے جاتے تھے، اس وقت جذبہ بھی قابل دید ہوتا تھا، لوگ اپنے اعزہ ورفقاء سے مل کر درخواست کرتے تھے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کریں، اور ہم سے آپ کے حق میں کوئی زیادتی ہوئی ہو تو معاف کردیں، اب سفر کی سہولتوں کی وجہ سے ایسی باتیں کم ہوتی جارہی ہیں، ضرورت ہے کہ سابقہ روح اور جذبہ ہی سے حج ادا کیا جائے۔

حج کی عبادت اس انداز کی رکھی گئی ہے کہ حاجی اللہ کی بندگی کا ہمہ وقت اظہار کرتا ہے، تلبیہ کے الفاظ میں اس کوادا کرتا ہے:: لبيك اللهم لبيك ، لبيك لا شريك لك لبيك ، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك ۔ (میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں آپ کی ہیں، اور بادشاہت بھی آپ کی ہے۔آپ کا کوئی شریک نہیں)۔ اللہ تعالی نے تا قیامت اس مقام کوایسی قبولیت عطا کی کہ وہاں ایک عمل کا ثواب ایک لاکھ کردیا، اوراس کے لئے حج کرنا طے کردیا، اورحج کے ایام نہ ہوں تو عمرہ کوذریعہ ثواب بنادیا، اللہ تعالی کا یہ گھر مکہ میں ہے، جو دنیا کے آباد علاقوں کے بالکل وسط میں ہے، اس طرح بھی یہ دنیا کا مرکز ہے۔

سفر حج پر جانے والوں کو نصیحت:

فرمایا: آپ حج کے سفر پر جارہے ہیں، آپ قابل مبارک باد ہیں، اللہ تعالی نے آپ کا انتخاب فرمایا، اس انتخاب کی قدر کریں، اور وہاں کے قیام سے پورا فائدہ اٹھائیں، وہاں اللہ تعالی نے عبادتوں کا ثواب بہت ہی زیادہ رکھا ہے اور ایک نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ ثواب کے برابر ہے، اسی طرح اگر وہاں کوئی گناہ کیا تو سزا بھی اسی سے ملتی جلتی ہوگی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب السعير۔ (الحج: ٢٥)۔ (اور جو شخص بھی وہاں بے دینی کا عمل راہ حق سے ہٹ کر کرے گا تو اس کو ہم دردناک عذاب سے دوچار کریں گے)، یہی وجہ ہے کہ وہاں کے قیام میں احتیاط بہت

ضروری ہے، ذرا سی بے احتیاطی سے اعمال متاثر ہو جاتے ہیں اور گناہ لازم آجاتا ہے۔

حج میں دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں، وہاں متعدد مواقع ہیں، جہاں دعاء کی قبولیت رکھی گئی ہے، ان میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے، خاص طور پر ملتزم پر دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں، ملتزم اس جگہ کو کہتے ہیں کہ جہاں چمٹ کر دعاء کی جاتی ہے، یہ جگہ باب کعبہ کے نیچے کی دیوار ہے، وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، صفا و مروہ پر بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں، دوران طواف دعائیں قبول ہوتی ہیں، مقام ابراہیم پر دعائیں قبول ہوتی ہیں، دعا کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو وہ چیز حاصل ہو جائے جس کی طلب ہے، اور وہ چیز اس کے لئے مناسب نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ دوسری چیز دے دیتے ہیں، البتہ وہاں اصل دعاء آخرت کی کامیابی ہی کی ہونی چاہیئے، اور گناہوں کے معافی کی، اور دعاء کا ہمیشہ قبول نہ ہونا ایسا ہی ہے کہ بچہ اپنی ماں سے چھری مانگے تو ماں اسے چھری نہیں دے گی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ چھری اس بچے کے لئے نقصان دہ ہے، وہ اس کو مٹھائی دے کر مطمئن کر دے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اگر کسی انسان کی مطلوبہ چیز پوری نہیں کی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے حق میں مفید نہیں ہے، اگر اس نے دل سے دعاء کی اور مطلوبہ چیز نہ ملی تو دوسری چیز ملے گی۔

اور دیکھئے دعا خود عبادت کا عمل ہے، نماز عبادت ہے، روزہ عبادت ہے، زکاۃ عبادت ہے، دعاء بھی عبادت کی نیت رکھنے پر عبادت ہے، اللہ تعالیٰ دعا پسند فرماتا ہے، اور جو حضرات دعا نہیں کرتے، ان کو ناپسند کرتا ہے، دعاء بندگی کی علامت ہے، جب انسان دعاء کرتا ہے تو وہ بندگی کے حقوق بجالاتا ہے، لہٰذا جو حضرات حج پر جا رہے ہیں، وہ خاص طور پر دعاء کا اہتمام کریں، اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، اپنے اعزہ و اقارب کے لئے، اور عالم اسلام کے لئے، عالم اسلام اس وقت جس دشوار مرحلہ سے گذر رہا ہے، اس کے لئے خاص طور پر دعاء کی ضرورت ہے، بلکہ پوری انسانیت کے لئے دعاء کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں کہ وہ اس کو قبول فرمائیں گے اور توفیقات سے نوازیں گے۔

خلیفۃ اللہ ہونے کا مطلب:

فرمایا: انسان کو اللہ نے خلیفہ بنایا ہے، خلیفہ کے معنی نائب کے ہوتے ہیں، نائب کا مطلب ہی ہوتا ہے کہ اصل کی عدم موجودگی میں کام کرے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعزاز دیا ہے، گویا کہ اس کو خلیفہ بنایا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ لتشریف المستخلَف (اعزاز دینے کے لئے) بھی خلافت کا ایک حصہ ہے۔

اسلام کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے:

فرمایا: اسلام کا رنگ ایک ہوتا ہے، ہر جگہ اس میں یکسانیت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ امریکی اسلام الگ، اور لندنی اسلام الگ۔

انسان کامل کی ضرورت

فرمایا: سچی بات یہ ہے کہ ہم کو انسان بننے کی ضرورت ہے، اسلام کی تعلیمات انسان کو انسان بنانے کے لئے ہیں، لیکن آج ساری دنیا میں شیطان کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے، شیطان اپنے مشن میں کامیاب ہے۔

ساری تگ و دو دنیا طلبی کے لئے:

فرمایا: آج ساری دنیا زیادہ سے زیادہ مال و اسباب حاصل کرنے کے چکر میں لگی ہوئی ہے، ایک ہزار ہے تو دو ہزار حاصل کر لیں، انسان ہر وقت اس چکر میں لگا ہوا ہے کہ اور مل جائے، ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ محمد اسد پہلے ایک یہودی تھے، جو مسلمان ہو گئے، انہوں نے واقعہ لکھا ہے کہ ریل میں وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ سارے مسافر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ سب کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آ گیا ہے۔ ان کا سفر ختم ہوا، جب انہوں نے مطالعہ کے لئے لائبریری کھولی، وہ مطالعہ کرتے ہوئے "ألهاكم التكاثر" تک پہونچے تو یہ انکشاف ہوا کہ ہر انسان پر مال کی ہوس سوار ہے، وہ کسی اور چیز میں

لگا ہوا ہے، ساری تگ ودو تو صرف دولت کے حصول میں صرف ہو رہی ہے۔

والد کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے:

فرمایا: والد کی خدمت سے رزق میں برکت، کیونکہ وہ کما کر کھلاتا ہے، ماں کی خدمت سے عمر میں برکت کیونکہ وہ جنم دیتی ہے، استاذ کی خدمت اور عزت سے علم میں برکت کیونکہ وہ علم دیتا ہے۔

شفا اللہ کے ہاتھ میں:

فرمایا: ہمارے ماموں ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ (۱) نے محلہ کے ایک آدمی کو دوا دی، وہ شفایاب ہو گیا، دوسرے دن اسی مرض کے شکار دوسرے شخص کو دوا دی، لیکن وہ شفایاب نہیں ہوا، پھر انہوں نے اس کی وجہ خود ہی بیان کی کہ پہلی مرتبہ جب مریض کو دوا دی، تو اللہ پر توکل کر کے دی تھی، دوسری مرتبہ دوا پر بھروسہ کیا کہ اس مرض میں یہ دوا مفید اور نافع ہوتی ہے۔

عربوں میں انقلاب:

فرمایا: عربوں میں جو انقلاب آیا وہ قرآن مجید اور اخلاق رسول ﷺ سے، جو بھی قرآن سنتا تھا، وہ اس سے متأثر ہوتا تھا، اور جو بھی آپ سے ملتا تھا وہ اسلام لاتا تھا، اللہ کا انتظام ہے کہ دونوں چیزیں محفوظ ہیں، اور قیامت تک محفوظ رہیں گی، اور اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہوں گی۔

امریکہ میں جو ٹاور گرایا گیا، اور اس کا الزام مسلمانوں پر لگایا گیا، اور عام لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ مسلمان تشدد کے حامل ہیں، تو اس تناظر میں لوگوں نے اسلام اور قرآن کا مطالعہ کیا، پھر کیا ہوا؟ ہزار ہا ہزار لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے، قرآن جو بھی غور کر کے پڑھتا ہے، متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، دل متأثر ہوتا ہے کہ کتنا اچھا کلام ہے اور کتنا مؤثر کلام ہے۔

(۱) مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی متوفی (۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء) سابق ناظم ندوۃ العلماء

علمی افادات

اللہ کا ازلی علم:

فرمایا: قرآن میں جہاں اللہ کے علم کی نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ چیز موجود نہیں ہے، ورنہ کوئی ایسی چیز کائنات میں ایسی نہیں ہے، جو اللہ کے علم میں نہ ہو، علم نام ہے پختہ اور یقینی بات کا، اور ظن صرف خیال اور گمان کو کہا جاتا ہے۔

حروف مقطعات :

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں حروف مقطعات رکھے ہیں، جن کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اگر چہ کچھ لوگوں نے ان کے معنی بیان کئے ہیں، لیکن ان کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں دو قسم کی آیتیں نازل کی ہیں، محکمات، اور متشابہات، محکمات کا مطلب، جن کا مفہوم بالکل واضح ہے، اور اور متشابہات وہیں جن میں کئی معنوں کی گنجائش ہے، قرآن میں آیا ہے: فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله وما يعلم تأويله الا الله (آل عمران: ۷) (جن کے دلوں میں کجی ہے وہی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنہ کی خواہش میں اور بے جا تاویل کی خواہش میں، جب ان کی صحیح تفسیر کا علم اللہ ہی کو ہے)۔

دینی علوم آسمانی علوم ہیں:

فرمایا: دینی علوم آسمانی علوم ہیں، اس کے فائدے آسمان پر ظاہر ہوں گے، اور دنیوی علوم زمینی علوم ہیں، ان کے حاصل کرنے والوں کو بس زمینی فائدہ ہی ہو سکتا ہے، اللہ تعالی کہے گا: جاؤ، تم نے زمینی علوم حاصل کئے، تم کو اس کے فائدے مل گئے، خوب کھایا پیا،

مزے اڑائے، اب ہمارے پاس اس کا بدلہ کیا چاہتے ہو؟ اس لئے دنیوی علوم کی مثال کھانے سے دی جاتی ہے، جس طرح کھانا انسان کی ضرورت ہے، جب انسان کھالیتا ہے تو مزید کی خواہش نہیں ہوتی ہے، اور اتنا ہی کھاتا ہے، جتنی کہ ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح دنیاوی علوم کی حیثیت ہے، تو اتنا سیکھے جس سے اس کا کام چل جائے۔

جہاد کے معنی کوشش:

فرمایا: جہاد کوشش کو کہتے ہیں، کوشش لڑائی سے ہو یا امن سے ہو، بدر میں وہ آئے، احد میں وہ آئے، خندق میں وہ آئے لڑنے کے لئے، آپ خود نہیں گئے، لیکن ہاں، خیبر میں آپ صلح کے لئے خود گئے، اس لئے کہ وہاں یہودی جمع ہو گئے تھے، اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔

علم تین طرح کا ہوتا ہے:

فرمایا: علم تین طرح کا ہوتا ہے: (۱) اصولی چیزوں کا علم ہوتا ہے (۲) زندگی کے متعلق چیزوں کا علم جیسے زراعت ہے، طب ہے، ہندسہ (انجینئرنگ) ہے (۳) اخلاقی علم، یورپ نے پہلے دو علموں کو تو لے لیا، مگر علم اخلاق کو ترک کر دیا، جس کے نتیجہ میں سارا کا سارا معاشرہ تباہ و برباد ہو گیا۔

علماء بنیادی مسائل سے لوگوں کو باخبر کریں:

فرمایا: عوام کو بنیادی مسائل کا علم نہیں ہے، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مسائل سے لوگوں کو آگاہ کریں، طلاق لفظ کے اعتبار سے بھی سخت لفظ ہے، جو چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے، حضرت علیؓ کے حالات میں آتا ہے کہ وہ دنیا کو مخاطب کر کے کہتے تھے: یا دنیا أبی تعرضت أم لی تشوفت! قد بتتك ثلاثا لا رجعة لی فيك۔ (اے دنیا! کیا تو میرے درپے ہے، یا تو میرے لئے بن سنور رہی ہے، جاؤ، میں نے تمہیں تین طلاق دیا، اس کے بعد اب رجوع کا کوئی سوال ہی نہیں)۔

طلاق کے سلسلے میں لطائف ہیں: ایک یہ کہ مفتی صاحب نے پوچھا ''ت'' سے طلاق کہا ہے، یا ''ط'' سے، دوسرے موقع پر آیا ہے کہ غصہ میں طلاق دیا ہے، کتنا غصہ تھا؟ کیا سیاہ وسفید کا امتیاز ختم ہوگیا؟ تو اگر ایسا ہے تو طلاق نہیں ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔

تعلیم کا مقصد متعین ہونا چاہیئے، روزی اللہ کے ذمہ ہے:

فرمایا: تعلیم کا مقصد متعین ہونا چاہیئے، علم دین کا فائدہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، علم دین کو دین ہی کے لئے حاصل کرنا چاہیئے، دنیا کے لئے نہیں، دنیا اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مسکین شخص سامنے سے آرہا ہو اور اس کو دیکھ کر آپ کے دل میں ہمدردی پیدا ہو، اور آپ نے دینے کا ارادہ کرلیا ہو، اب اگر اس نے مانگ لیا اور سوال کرلیا تو اس کا مرتبہ آپ کی نگاہ میں گر جائے گا، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے روزی کا فیصلہ کردیا ہے، اگر وہ اسے غیر شرعی طریقے پر حاصل کرتا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

دینی مدارس میں آنے کا مقصد:

سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے ان دینی مدارس کا رخ کیوں کیا ہے؟ اور پھر ہمیں اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا کیا چیزیں کرنی چاہیئے؟ یہ بات سمجھ لیجئے کہ لاابالی پن تو جانوروں کی صفت ہوتی ہے، جانور سڑک پر کھڑا ہے، موٹر گذر رہی ہے، پھر بھی کھڑا ہے، آدمی اس کو ڈنڈا مارتا ہے، پھر بھی کھڑا رہتا ہے، اگر آپ بھی ایسے بن جائیں جیسے اور لوگ بن جاتے ہیں، تو یہ جانور سے بھی بدتر صفت ہے، کیونکہ اس کو عقل نہیں ہے، اللہ نے آپ کو عقل دی ہے۔

ریاکار عالم کی سزا جہنم:

فرمایا: قیامت کے دن تین آدمی آئیں گے اور تینوں دعویٰ کریں گے کہ انہوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لئے کام کیئے، جبکہ ایسی بات نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کو حقائق کا علم

ہے، اوندھے منہ ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، یہ تینوں آدمی ایک عالم، ایک شہید اور ایک سخی ہوں گے۔ فرمایا: کام کتنا اچھا تھا، لیکن غرض اور مقصد ریاکاری تھی، اسی لئے وہ رد کر دیا گیا۔

کسب مال برا نہیں، اس کو مقصد بنانا برا ہے:

کسب مال کوئی بری چیز نہیں، انسان کو دنیا کے لئے عام کوشش کرنے کا حکم ہے، یعنی ایک حد تک اسباب اختیار کرنے کی اجازت ہے، لیکن دنیاداری اور کسب مال کے لئے وقف ہو جانا یہ بری چیز ہے، اکبر الہ آبادی مشہور شاعر ہیں، وہ خود جج تھے، لیکن انہوں نے دنیاداروں کے رجحانات کی صحیح ترجمانی کی ہے:

کیا کہوں احباب، کیا کارے نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

قرآن مجید کی تاثیر:

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کلام زبردست تاثیر کا حامل ہے، اگر یہ اپنی اصل شکل میں پہاڑوں پر اترتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو انسانی کلام کے غلاف میں اتارا ہے، تاکہ انسان اس کو پڑھ سکے، اور اس سے استفادہ کر سکے، انسان کے پاس قرآن ہے، لیکن اس سے استفادہ نہ کرے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی قدر نہیں کر رہا ہے، دنیا میں اگر کوئی انسان کسی پولیس کو کچھ نہ سمجھے تو وہ اس کو سزا دیتا ہے، اسی طرح اگر کوئی میری کسی کتاب کی میرے سامنے ہی بے وقعتی کرے تو مجھے برا لگے گا، یہ اللہ کا کلام ہے، اس کا حق نہ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ کس قدر ناراض ہوں گے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کو آسان کر دیا گیا ہے:

فرمایا: قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا ہے، تاکہ اس سے نصیحت حاصل کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (قمر:۱۷)، مدکر یہ ذکر سے مشتق ہے، باب افتعال سے ہے، اس کے معنی نصیحت حاصل کرنا ہے۔

قرآنی علوم:

فرمایا: اصل علوم قرآن میں ہے، علوم شرعیہ قرآن شریف کا ذیل ہیں، اس سے متعلق ہیں، ان کی حیثیت اگر چہ قرآن کی نہیں ہے، لیکن وہ قرآن سے مستفاد ہیں، ایک حافظ قرآن کے لئے قرآن سے استفادہ کرنا آسان ہوتا ہے، قرآنی علوم سے دنیا وآخرت دونوں جگہ فائدہ ہوتا ہے، اور زمینی علوم سے صرف دنیا میں فائدہ ہوگا، آخرت میں نہیں، دنیا ختم ہوئی، یہ علوم ختم ہو گئے۔

علم محنت چاہتا ہے:

فرمایا: علم کی راہ کھلی ہوئی ہے، وہ صرف محنت چاہتی ہے، جو محنت کرتا ہے، وہ آگے بڑھتا ہے، حافظہ کمزور ہو تو بھی، حافظہ قوی ہو تو بھی، دونوں صورتوں میں انسان ترقی کرتا ہے، امام غزالیؒ کا مشہور مقولہ ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك، فاذا أعطيته كلك فأنت من أن يعطيك بعضه على خطر۔ (علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی تمہیں نہیں دے سکتا، جب تک تم اپنے آپ کو مکمل اس کے حوالہ نہ کردو، جب تم اپنے آپ کو اس کے حوالہ کردو گے تو یہ بات بھی خطرہ میں ہے کہ اس کا ایک حصہ تم کو مل جائے) فرمایا: ندوہ کے بڑے بڑے فضلاء اور ہمارے بڑے سب ہندوستان کے پڑھے ہوئے تھے، عرب اس وقت گئے جب ان کا طوطی بولتا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی عربی عربوں سے اچھی تھی، وہ عرب گئے تو استاذ کی حیثیت سے، علم کے لئے کسی جگہ کی قید نہیں، اور نہ زمانہ کی قید، بس محنت کی ضرورت ہے، معروف الدوالیبی ایک معروف اسکالر ہیں، شامی حکومت میں بھی اہم عہدے پر رہے، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے کو بہت ممتاز سمجھتے ہیں، شیخ ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ملاقات ہوئی تو ان کے علمی وزن کا اندازہ ہوا، پہلی مرتبہ رجال الفکر والدعوۃ (حضرت مولانا کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت) سے معلوم ہوا کہ اسلام کو کیسے پیش کیا جائے۔

علم کی کشش:

فرمایا: علم کی کشش جب تک پیدا نہ ہوگی علم حاصل نہیں ہوگا، علم کا نشانہ یہ ہے کہ عبارت سمجھ میں آنے لگے، انسان کی لکھی ہوئی عبارت ہے تو سمجھ میں کیوں نہیں آئے گی، بس تھوڑی سی توجہ چاہئے، ساری مشکل عبارتیں حل ہو جائیں گی، ایک عالم شیخ عبدالعزیز ثعالبی تھے، ان کا علم و مطالعہ زبردست تھا، ندوہ بھی تشریف لائے، ایک مرتبہ انہوں نے پوری رات مطالعہ میں گذار دی، لیکن ان کو ذرا بھی احساس نہیں ہوا، دوسرے لوگوں نے بتایا کہ صبح کی اذان ہوگئی، تو انہوں نے کہا کہ ابھی تو میں نے مطالعہ شروع کیا تھا، ہمارے مولانا ابوالعرفان خاں صاحب مرحوم ندوہ کے سینئر استاذ تھے، اور قائم مقام مہتمم بھی رہے، ان کا بھی یہی حال تھا، اور مولوی شبیر عطا ندوی مرحوم بھی مطالعہ میں ایسے ڈوب جاتے تھے۔

وقت کی قیمت:

فرمایا: سفر نامہ ''مصر و شام'' (مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ) میں ہے کہ ایک مرتبہ جہاز کا انجن خراب ہو گیا، سارے مسافر پریشان تھے، انہوں نے پروفیسر آرنالڈ کو مطالعہ میں غرق پایا، پوچھا کہ آپ اس قدر مطمئن کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر سارا جہاز ڈوبا تو بھی ہم اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے اور اگر بچ گئے تو بہت اچھا، خواہ مخواہ وقت کیوں ضائع کریں؟۔

استعداد پیدا کرنے کا طریقہ:

فرمایا: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عالیہ ثانیہ تک کے نصاب میں ایسی رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی محنت سے پڑھے تو اسے اچھی عربی آجائے گی، یہ بات نظریاتی نہیں ہے، عملی تجربہ بھی ہے، بعض لڑکوں کو دیکھا کہ انہوں نے محنت کی تو ان کی استعداد بہت اچھی ہوگئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کھانا کھاتے جاتے اور مطالعہ بھی کرتے جاتے تھے، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں جب گئے تھے تو وہاں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس ہوتا تھا، بعض اصطلاحات سمجھ میں نہیں آتی تھیں، تو کہتے کہ یہ

کیسے ممکن ہے کہ سمجھ میں نہ آئیں، چنانچہ سمجھنے کی زبردست کوشش کرتے اور سمجھ لیتے تھے۔

مقصدیت کی روح:

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سیکھنے کی صلاحیت رکھی ہے، کیا اچھا اور کیا برا، اس کا امتیاز عطا فرمایا ہے، جانور کھڑا ہوتا ہے، بس کھڑا رہتا ہے، اس کے اندر سیکھنے کی صلاحیت نہیں، انسان کے اندر اللہ نے اس کی صلاحیت رکھی ہے، اچھا دیکھتا ہے تو نقل کرتا ہے، اور برا دیکھتا ہے تو اس کی بھی نقل کرتا ہے، کم عمری میں یہ صلاحیت زیادہ ہوتی ہے، بڑی عمر میں انہیں پرانی چیزوں سے استفادہ کرتا ہے، انسان کو سمجھنا چاہئے کہ ہم دنیا میں یونہی نہیں آئے ہیں، بلکہ اللہ نے مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، اسی کے لحاظ سے عمر دی ہے، اور صلاحیتیں بھی دی ہیں، اگر ہم اپنی عمر کو مقصد کے تحت نہیں استعمال کرتے ہیں تو ہم میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں، غیروں کی تہذیب لا مذہبیت پر مبنی ہے، وہ مذہب سے بے زار ہیں، جانوروں کی زندگی گذار رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مقصد کے تحت پیدا کیا ہے: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا و أنكُمْ اِلينا لا ترجعون" (مؤمنون: ۱۱۵) (کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے، اور پھر تمہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے) یہ سوال کہ لوٹ کر نہیں آؤ گے، اس میں مقصد کی طرف متوجہ کرنا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ ہم نے زندگی دی، کیا کر کے آئے، تو انسان جواب نہیں دے سکے گا۔

علم میں جو لذت ہے وہ کسی چیز میں نہیں:

فرمایا: علم میں جو لذت ہوتی ہے وہ کسی چیز میں نہیں، ہمارے استاذ اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سلونی مرحوم فنا فی اللہ تھے، ان کو کتابوں کا بڑا استحضار تھا، وہ یہاں تک بتا دیتے تھے کہ یہ کتاب فلاں صفحہ پر فلاں حصہ میں ملے گی، وہ سودا سلف بھی نہیں کر سکتے تھے، اگر بازار جانا ہوتا تو کسی کو ساتھ لے جاتے، وہ اچھے حافظ قرآن تھے، وہ الٹی طرف سے بھی پڑھ دیتے تھے۔

لفظ "کیوں" کا جواب معلوم کرنے سے مقصد سے توجہ نہیں ہٹتی ہے:

ہمارے مدارس اسی مقصدیت کو یاد دلانے کے لئے ہیں، ہم اگر یہ سبق نہ حاصل کریں تو بڑی محرومی کی بات ہے، ہم یہاں کیوں آئے؟ جب تک انسان "کیوں" کے جواب کی فکر نہیں کرے گا، اس وقت تک بامقصد نہیں ہوسکتا، آپ دینی تعلیم کیوں حاصل کرر ہے ہیں؟ آپ دینی آداب کیوں حاصل کرر ہے ہیں؟ جب انسان اس پر نظر رکھتا ہے تو صحیح زندگی گذارتا ہے، آپ یہاں اس لئے آئے ہیں، تاکہ ہر وہ چیز سیکھیں جو دنیاوی اداروں میں نہیں ملتی، ، مثال کے طور پر آپ بازار جائیں اور کچھ نہ خریدیں، پھر واپس آجائیں تو آپ خود کہیں گے کہ ہم کیوں گئے تھے، ہر "کیوں" کا جواب موجود ہے، ہر آدمی اس کو دے سکتا ہے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بامقصد بننے کے لئے آئے ہیں، اگر آپ بامقصد نہیں ہیں تو آپ کی مثال جانوروں کی ہوگی، بلکہ جانوروں سے بھی گئے گذرے، جانور تو صرف بے مقصد ہے، لیکن انسان بے مقصد بھی ہے اور ایذا پہونچاتا ہے، شیخی بگھارتا ہے، اور اللہ کے مقابلہ میں آجاتا ہے، فرعون نے یہی کیا کہ اللہ کے مقابلہ میں آگیا، اور اپنے وزیر سے کہا کہ ایک مینار بناؤ، تاکہ میں موسیٰ کے اللہ کو دیکھوں، چنانچہ اس نے یہ جرأت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ڈبو دیا۔

آپ کے اندر بے پناہ صلاحیتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات رکھی ہیں، آپ کے ساتھ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ تعلیم کے لئے آئے، حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ دو یتیم بچوں کے لئے حضرت خضر نے دیوار صحیح کردی، کیونکہ ان کے والد اچھے تھے، بیٹوں کو والد کی نیکیوں کا فائدہ پہونچا، اسی طرح ایک بچہ تھا، اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ غلط صحبت سے خراب ہوجائے گا، ماحول سے انسان اچھا بنتا ہے، اور ماحول سے برا بنتا ہے، آپ یہاں کے ماحول سے اچھا بن سکتے ہیں، آج انسان کا مقصد صرف کمانا رہ گیا۔

آپ غور کریں کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں، دنیا کے دیگر اداروں میں نہیں

گئے، اسکول اور کالج میں نہیں گئے، پہلے اپنے مقصد کو درست کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کے مطابق طرزِ عمل ہونا چاہیئے، ہر مقصد کے مطابق اس کا طرزِ عمل ہوتا ہے، ہمارے اخلاق، عادات سب اسلامی ہونے چاہیئے۔

ہر راہ کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں:

فرمایا: ہمارے جدِ امجد حضرت آدمؑ جنت میں تھے، اور ساری نعمتیں ان کے لئے تھیں، لیکن ایک پابندی لگا دی، اور پھر شیطان نے آپ کو بہکایا، پھر وہ ساری سہولتیں ختم ہوگئیں، پھر آدمؑ نے رجوع کیا تو ان کو دنیا میں بھیج دیا گیا کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے، اب اگر خیر و شر کو صحیح استعمال کر کے کوشش کریں گے تو جنت ملے گی، ہر راہ کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اس راہ کے تقاضے یہ ہیں کہ آپ فرائض کی پابندی کریں، اور زبان کی خرابیوں اور بد تمیزی والے جملوں سے گریز کریں، اللہ نے اس امت کو امتِ ہدایت بنایا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا، انہوں نے صحیح کام کیا، اس کے بعد آخری نبی ﷺ کو اللہ نے بھیجا، ان کے بعد امت کے افراد کے ذریعہ ہدایت کا کام لیا گیا ہے: و لتكن منكم أمة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر ،و أولئك هم المفلحون (آل عمران:۱۰۴) (تم میں ایک ایسے گروہ کا ہونا بھی ضروری ہے، جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے، اور برائی سے روکے، حقیقت میں یہی لوگ کامیاب ہیں)۔ اس عظیم کام میں بڑی تیاری کی ضرورت ہے، عربی میں مہارت ہونی چاہیئے، اخلاق اچھے ہونے چاہئیں، مطالعہ وسیع ہونا چاہیئے، پھر آپ کہیں حالات کا مقابلہ کر سکیں گے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

علماء و منتہی درجہ کے طلباء کو عام سطح کی چیزیں بھی معلوم ہونی چاہیئے:

فرمایا: جو طلباء اونچے درجات میں پڑھتے ہیں، ان کو عام سطح کی چیزیں بھی معلوم ہونی چاہیئے، چونکہ ان کا عوام سے سابقہ پڑتا ہے، اور عوام کو چھوٹے موٹے مسائل کی

ضرورت درپیش ہوتی ہے، چھوٹی کتابوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، مثال کے طور پر بہشتی زیور، اس میں عام سطح کی بہت سی باتیں ہیں۔

طالب علم چور نہیں ہوسکتا:

فرمایا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ طالب علم بھی چور ہونے لگے ہیں، مولانا نے فرمایا: طالب علم چور نہیں ہیں، بلکہ چور طالب علم کی بھیس میں آکر پڑھنے لگے ہیں۔

درس نظامی:

فرمایا: درس نظامی ملا نظام الدینؒ کی طرف منسوب ہے، اس میں معقولات کی کتابیں زیادہ تھیں، مشکاۃ آخری کتاب تھی، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس میں صحاح ستہ کا اضافہ کیا، اس طرح حدیث کا معتد بہ ذخیرہ اس میں پایا جاتا ہے، فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کی اس میں بڑی اہمیت تھی، دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء کو جو اہمیت آج کل حاصل ہے، اس طرح کی اہمیت اس کو حاصل تھی، مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا، ہمارے خاندان کے بعض حضرات نے بھی فرنگی محل کے علماء سے تعلیم حاصل کی ہے، ان میں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی علیہ الرحمۃ نے علامہ عبد الحی فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) سے پڑھا، اور ہمارے نانا مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء نے حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے پڑھا، ندوۃ العلماء جب قائم ہوا، تو اس کے شروع کے سرپرستوں میں مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ بھی تھے، ندوہ کے قیام سے پہلے فرنگی محل لکھنؤ میں علم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

معقولات کی کتابوں کے اثرات:

فرمایا: پرانے نظام تعلیم میں معقولات کی زیادہ کتابیں تھیں، یہاں تک کہ دینی کتابیں بھی اس سے متاثر ہوئیں، تفسیر بیضاوی اس کا نمونہ ہے، بعض نحو کی کتابیں (شرح

جامی وغیرہ) بھی اس سے متاثر ہیں، معقولات کی کتابیں پڑھنے سے ذہن مجادلانہ ہوتا ہے، جدال میں دونوں فریق اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں، اور کئی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ترکوں کی حکومت تھی، ترکی شہزادہ اپنی مملکت کے ایک حصہ میں گیا، نظام یہ تھا کہ حکومتی سطح کے آدمی کو توپوں کی سلامی دی جاتی تھی، لیکن اس شہزادہ کو نہیں دی گئی، اس نے محسوس کیا، جب وہ لوٹ کر اپنے محل میں آیا تو اس نے اس علاقہ کے گورنر کو طلب کیا، بڑا اہم مسئلہ تھا کہ شہزادہ کو کیا جواب دیا جائے، ایسے موقع پر گورنر نے اپنے ساتھ اس علاقے کے قاضی کو لے لیا، خیر یہ دونوں گئے، شہزادے نے پوچھا کہ معمول کے مطابق سلامی کیوں نہیں دی گئی؟ تو معقولات پر گہری نظر رکھنے والے قاضی نے کہا: اس کے سو اسباب ہیں، اس نے اس انداز کلام کو سنتے ہوئے کہا: وہ اسباب کیا ہیں؟ قاضی نے جواب دیا: سب سے پہلی بات ہے کہ بارود ختم ہوگئی تھی۔ اس نے کہا کہ بس کرو۔

ندوۃ العلماء نے شروع ہی سے معقولات کی کتابوں کو کم کیا، اور ضرورت کے بقدر رکھا، جس سے قدیم کتابیں سمجھیں جاسکیں، ندوۃ العلماء میں مولانا ابوالعرفان خان ندویؒ (سابق قائم مقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) ایک زمانہ تک معقولات کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

صحبت کا اثر:

فرمایا: صحبت کا بہت اثر پڑتا ہے، انسان جو بھی سیکھتا ہے، اس میں صحبت کا خاص حصہ ہوتا ہے، اگر زندوں کی صحبت میسر نہ ہو تو اسلاف کی کتابوں کا بھی اثر پڑتا ہے، وہ صحبت کا قائم مقام ہوجاتی ہیں، اور ان کتابوں کے مصنفین کے اثرات پڑھنے والوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

فرمایا: کسی کے بارے میں اگر کچھ معلوم کرنا ہے تو اس کا بہتر طریقہ ہے کہ اس کے ملنے والوں کو دیکھ لیا جائے، یہ بات عربی شاعر نے بھی کہی ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَأَبْصِرْ قَرِيْنَهٗ
فَإِنَّ الْقَرِيْنَ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

(کسی انسان کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہےتو اس کے بارے میں نہ معلوم کرو، بلکہ اس کے ملنے والوں کو دیکھ لو، کیونکہ انسان اپنے ساتھی کے طریقہ پر ہوتا ہے)۔

فرمایا: لکھنؤ کا واقعہ ہے کہ ایک بچہ کو بھیڑیا اٹھا لے گیا، وہ بھیڑیا کے پاس رہا، ماحول کے اثر سے وہ اسی کی طرح بولتا اور آواز نکالتا تھا، اس کی خوراک کچا گوشت تھی، کئی برسوں کے بعد معلوم ہوا، چنانچہ میڈیکل کالج میں علاج کے لئے اسے لایا گیا، لیکن وہ اپنی موجودہ فطرت سے بدل نہ سکا، اور مر گیا، ماحول اور صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے۔

فقہی اختلاف رحمت ہیں:

فرمایا: فقہی اختلاف رحمت ہیں، علاقوں کے مختلف حالات کے پیش نظر مسالک کا اختلاف ہیں، مسالک کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر ہے، دو حدیثیں ہیں، بظاہر دونوں میں تعارض ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ متضاد باتیں فرمائیں گے، بلکہ موقع و محل کے اعتبار سے عمل اور قول ہے، اور حالات اور ماحول کے لحاظ سے یہ صورتحال ہے۔

سورہ والتین میں تین انبیاء کا تذکرہ:

فرمایا: سورہ والتین میں اللہ نے شام، مصر اور مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، یہ صرف قسم نہیں ہے، بلکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی تاریخ کو دہرایا ہے۔

سورہ نور میں تاریکی اور روشنی کی مثال:

فرمایا: سورہ نور کے ایک رکوع "اللہ نور السموات والارض" میں نور کے تہ بہ تہ ہونے (نور علی نور) اور ظلمت کے تہ بہ تہ ہونے کی بات کہی گئی ہے، واقعتاً سمندر میں ایسی تاریکی ہوتی ہے، جس میں کچھ نظر نہیں آتا۔

علامہ اقبال یہودی استاذ کے روبرو:

فرمایا: علامہ اقبال سے ان کے ایک یہودی استاد نے پوچھا: تم بڑے عقلمند ہو،

لیکن بتاؤ کہ کیا قرآن اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے؟اور وحی کی شکل میں نازل ہوا ہے؟،علامہ اقبال نے کہا: میرا عقیدہ ہے کہ میرے اشعار اوپر سے اترتے ہیں تو قرآن کیوں نہیں آسمان سے اترا ہوگا؟۔

آسمان علم وتحقیق کا آفتاب:

فرمایا: علامہ شبلیؒ نے اسلام پر کیئے گئے اعتراضات کا مثبت انداز میں جواب دیا،کتب خانہ اسکندریہ کے بارے میں مشہور کردیا گیا تھا کہ اس کو مسلمانوں نے جلایا،علامہ شبلیؒ نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ اس کو عیسائیوں نے جلایا،اس سے نئے طبقہ کا اعتماد اسلام پر بحال ہوا،علامہ نے اسلام کے نمائندوں پر کتابیں لکھیں، الفاروق، المامون،الغزالی وغیرہ۔

بزرگوں کے مشورہ پرعمل کرنے کے فوائد:

فرمایا: مولانا محمد ناظم ندوی: ندوہ میں استاذ ادب تھے،حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے رفقاء میں تھے،وہ جامعہ عباسیہ بھاولپور میں شیخ الجامعہ ہوگئے تھے،ان کا میرے نام خط آیا کہ جامعہ میں ایک جگہ خالی ہے،اگر آنا چاہیں تو آجائیں،۷۰۰ روپے تنخواہ ہوگی،اس زمانہ میں ندوہ میں ۷۰ روپے میری تنخواہ تھی، میں نے حضرت مولانا سے ذکر کیا تو انہوں نے نہ جانے کا مشورہ دیا،اور صحیح مشورہ تھا،اگر میں چلا گیا ہوتا تو جو کچھ خدمت کا موقع ملا وہ نہ ملتا،اپنے تمام اعزہ سے بھی کٹ جاتا،اور تمام چیزوں سے محروم ہوجاتا۔

فرمایا: ۴۶ سے ۱۹۴۷ء میں میں نے دارالعلوم دیوبند میں کچھ وقت گذارا، وہاں شرائط دورۂ حدیث کی کتابیں ہدایہ،نورالأنوار، ملاحسن وغیرہ کے درس میں شرکت کی، مشکاۃ چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے پڑھ کر گیا تھا،اس وقت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث تھے، وہ دورۂ حدیث میں بخاری شریف کا درس دیتے تھے،اس لئے ان کے درس میں شرکت نہ کرسکا، حالانکہ موقع تھا،مگر یقین تھا کہ آئندہ سال دورۂ حدیث میں

شرکت کریں گے، ۱۹۴۷ء میں ملکی حالات خراب تھے، اس لئے لکھنؤ آکر واپس نہ جاسکا، اور ندوہ میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا پڑا۔

دار العلوم دیوبند میں شرائط دورہ کی کتابوں میں مولانا محمد سالم قاسمی (صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب) رفیق درس تھے، اور بعض کتابوں میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ (صاحبزادہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ) کا ساتھ تھا، پاکستان کے مشہور عالم مولانا سلیم اللہ خان صاحب دورۂ حدیث میں تھے، لیکن کمرہ میں ان کا ساتھ تھا، وہ بڑے تھے، شفقت فرماتے تھے، ان کے چھوٹے بھائی ہمارے ساتھ تھے، ایک اچھا وقت وہاں گذرا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے درس میں شرکت کی سعادت ملی، مولانا عبدالاحد صاحب، مولانا عبدالجلیل صاحب سے بڑا اچھا رابطہ تھا، پھر ندوہ میں بڑے مشفق اساتذہ رہے، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب، مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب، وغیرہ۔

فرمایا: میں جب فارغ ہوا تو ایک سال تک خالی رہا، تکمیل میں میرا داخلہ نہیں ہوا، اس درمیان آزاد مطالعہ کا موقع ملا، مزید کئی مشورے لوگوں نے دئے، کسی نے کہا کہ شہد کی مکھی پالنے کا کارخانہ کھولا جائے، کسی نے بلاک بنانے کا مشورہ دیا، اور دو تین مہینے میں نے بلاک بنانے کی مشق کی، اس طرح ایک سال گذرا، آئندہ سال دار العلوم کے شعبہ تکمیل میں میرا داخلہ ہوا، میرے سرپرست میرے ماموں جان ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ تھے، اس درمیان حجاز جانے کا نظام بنا، مولانا معین اللہ ندوی اور مولانا عبدالرشید اعظمی ندوی حجاز میں مقیم تھے، دوسرے سال مولانا سید عبد اللہ عباس ندوی، مولانا سید محمد طاہر حسینی، مولانا سید رضوان علی ندوی اور میرا نام تجویز ہوا، اور ایک سال وہاں قیام رہا، وہاں سے آنے کے بعد ندوہ میں ادیب دوم کی حیثیت سے تقرر ہوا، ادیب اول مولانا عبداللہ عباس ندویؒ تھے، وہ بھی ۱۹۵۲ء میں حجاز چلے گئے، اس طرح میرا نام ادیب اول کی حیثیت سے منتخب ہوا، ۱۹۵۲ء سے ۵۸ء تک سخت محنت کی، میری ابتدائی کتابیں اسی وقت کی یادگار ہیں، منثورات، بین التصوف والحیاۃ، معلم الانشاء وغیرہ۔

فرمایا: عام طور پر طلباء ظہر کے بعد لمبا قیلولہ کرتے ہیں، پورا وقت اسی کی نذر ہوجاتا ہے، اگر مختصر وقت قیلولہ کر کے علمی کاموں میں اس وقت کو صرف کریں تو بہت مفید کام ہوسکتے ہیں، میرے جتنے تصنیف کے کام ہیں، وہ سب بحمداللہ ظہر کے بعد ہی انجام پائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے وقت میں برکت دی۔

محنت اور تعلق مع اللہ:

فرمایا: محنت اور تعلق مع اللہ کامیابی کے لئے بنیادی شرط ہے، تعلیم کے زمانہ میں مستقبل کے بارے میں زیادہ نہیں سوچنا چاہئے، محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ غیب سے انتظامات فرمادیں گے۔

دینی تعلیم کا مقصد اصلی:

فرمایا: دینی تعلیم کا مقصد رضائے الٰہی ہے، نہ کہ دنیا کمانا، اگر دینی تعلیم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا گیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل شمار ہوگا، بلکہ یہ دنیا کی تعلیم کے ذریعہ دنیا کمانے والوں کے مقابلہ میں سنگین عمل ہوگا، کیونکہ دنیا والے تو دنیا کمانے ہی کے لئے پڑھتے ہیں، لیکن دین پڑھنے والوں کا کام تو دنیا کمانا نہیں ہے، پھر بھی وہ قرآن حدیث کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں۔

تعلیم کے تین عناصر:

فرمایا: تعلیم کے تین عنصر ہیں: استاذ، نصاب، اور طالب علم، انتظامیہ تو اضافی چیز ہے، ان تینوں کے ذریعہ تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے، اور ان کا تعلیم پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، تعلیم میں بنیادی چیز تصحیح نیت ہے، اس کے بغیر تعلیم صحیح رخ پر نہیں ہوگی۔

"حجۃ اللہ البالغۃ" اپنے موضوع پر اہم کتاب:

فرمایا: حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" اپنے

موضوع پر اہم کتاب ہے،اس کے مطالعہ سے علمی اور دینی دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں،شاہ صاحب نے روح کی دو قسمیں کی ہیں،ایک روح،دوسرے نسمہ،نسمہ کا مطلب غذا سے پیدا ہونے والی طاقت،اصل روح کو یہ جسم برداشت نہیں کر سکتا،اس لئے اللہ نے طاقت کو ذریعہ بنایا ہے،مثال کے طور پر آگ کو لینے کے لئے کسی آلہ اور برتن کی ضرورت پڑتی ہے،اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق بنائی ہیں،فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں،وہ سراپا نور ہیں۔

کتابوں کے انتخاب میں عمر کا لحاظ ضروری:

فرمایا:احیاء علوم الدین بہت مؤثر کتاب ہے،حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے برادر اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ نے اولاً ان کو اس کتاب کے پڑھنے سے منع کیا،کیونکہ تارک الدنیا بنانے والی کتاب ہے،اور ایک موقع پر حضرت مولانا نے طلباء کو مشورہ دیا،اس کا مطلب یہ ہے کہ طلباء کو صلاحیتوں کے لحاظ سے اس کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔

سرسری واقفیت کافی نہیں:

فرمایا:آپ علوم دینیہ کے طالب علم ہیں،ان کے مقاصد کو پیش نظر رکھیں،اور ان میں استنباط کی صلاحیت پیدا کریں،سرسری واقفیت کافی نہیں،فقہ کیا ہے؟استنباط کی صلاحیت کا دوسرا نام ہے،:لاؤڈ اسپیکر جب پہلی بار آیا تو علماء نے اس کی اجازت نہیں دی،کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اس کے ذریعہ اصل آواز نہیں پہونچتی ہے،لیکن جب سائنس دانوں کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ آواز وہی ہے،اس کی رفتار بڑھا دی گئی ہے،تو ان کو انشراح ہوا،اور استعمال کی اجازت دی،اسی طرح منی آرڈر کے بارے میں علماء کو تأمل تھا کہ کہیں اس میں سود کا دخل نہ ہو،لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سود نہیں ہے،بلکہ پہونچانے والے کی اجرت اور مزدوری ہے،تو اس کی اجازت دی گئی،اس لئے طلباء کو حالات کے مطابق مسائل کے استنباط کی صلاحیت پیدا کرنی چاہئے،فقہ کی کتابوں میں استنباط کی مثالیں موجود ہیں۔

فرمایا:قرآن کریم کی اصولی باتیں بیان کرتا ہوں،مثال کے طور پر"و لا تجهر

بصلاتك ولا تخافت بها و ابتغ بين ذالك سبيلا" (سورہ اسراء:۱۱۰(یعنی اپنی آواز کو نہ بلند کرو نہ پست، بلکہ درمیان کی آواز رکھو)، تو یہ درمیان کی آواز کا تعلق استنباط سے ہے، کتنی زور سے کہا، اور کتنی آہستہ ان کے جاننے کا نام فقہ ہے۔

قرآن اور حدیث دونوں دین کے مصادر:

فرمایا: قرآن اور حدیث دونوں بنیادی ہیں، ثبوت کے لحاظ سے دونوں کی قطعیت میں کوئی فرق نہیں، قرآن کا اعلان ہے:" و ما ینطق عن الھویٰ، ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورہ نجم:۳-۴) (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، بلکہ ان کا کہنا وحی ہوتا ہے)، اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے اجمال سے کام لیا ہے، اور حدیث شریف نے اس کی تفصیل بیان کی ہے، مثال کے طور پر قرآن میں صرف نماز کا تذکرہ ہے، حدیث میں ان کے اوقات، تعداد رکعات وغیرہ بیان کردی گئی ہیں۔

لوگوں کے مزاج میں تنوع ہے:

فرمایا: قوموں کے الگ الگ مزاج ہیں، چین اور جاپان کے افراد میں انسانی جذبات کم ہیں، وہ صرف کام لینا جانتے ہیں، اس کے مقابلہ میں مشرقی قوموں میں یہ جذبات موجود ہیں، اسی سلسلہ کی دو مثالیں ہیں، ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے سے کام کا مطالبہ کیا، اس نے ٹالا تو اس کو گولی ماردی۔

اسی طرح جنگ پیش آتی ہے اور دریا میں پل نہیں ہوتا ہے تو لوگوں کو لٹا کر اس کا انتظام کیا جاتا ہے، اور فوجیوں کو پار کرایا جاتا ہے، کام کی اہمیت ہے، افراد کی نہیں۔

آیت قرآنی کا آخری حصہ فاصلہ کہلاتی ہے:

فرمایا: قرآنی آیتوں کے آخری حصے کو قافیہ اور ردیف نہیں کہتے، بلکہ "فاصلہ" کہتے ہیں، اس کی جمع فواصل آتی ہے۔

حضرت مولانا کے دمشق یونیورسٹی اور مدینہ یونیورسٹی میں محاضرات:

فرمایا: دمشق یونیورسٹی کی کلیۃ الشریعہ کی طرف سے ایک دعوت نامہ آیا تھا کہ آپ کو وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے مدعو کیا جارہا ہے، اس موقع پر مولانا نے چند محاضرات تیار کرائے، جو رجال الفکر والدعوۃ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد اول) کے نام سے مرتب ہوئے، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (۱) سے پوری کتاب حضرت مولانا نے املا کرائی، اس وقت حضرت مولانا کا قیام کچہری روڈ پر مرکز دعوت وتبلیغ (امین آباد) میں تھا، روزانہ مولانا اس کام کے لئے امین آباد جاتے تھے، اسی طرح جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے دعوت نامہ آیا تو مولانا نے "النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن" کے نام سے اپنے محاضرات تیار کرائے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحؒ کا علمی وزن:

فرمایا: مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا علم بڑا پختہ تھا، صفحات کے حوالوں کا استحضار تھا، وہ بغیر کسی نسیان کے حوالہ دیتے تھے، اور ذرا بھی اس سے تکلف نہیں محسوس کرتے تھے۔

ترانے میں انقلابی روح:

فرمایا: اشعار میں انقلابی ادبی روح ہوتی ہے، ترانے تعبیرات اور اچھے الفاظ کا مجموعہ ہوتے ہیں، ندوہ کے ترانے میں عجیب وغریب تاثیر ہے:

اس کے ابتدائی اشعار ہیں:

ہم نازش ملک وملت ہیں، ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں، ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

میرے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی کا تحریر فرمودہ یہ ترانہ ہے، ان ہی کا ایک اور ترانہ ہے، جس کا ایک مصرعہ ہے: ع

شاہین شہ لولاک ہیں ہم   ہم آب سناں، ہم زور قلم

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مدیر البعث الاسلامی ومہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

تعلیم کا مقصد، دعوت کا منہج:

حضرت نے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ کھانے پینے کیلئے علم حاصل نہ کریں، یہ انسان کے مقام سے کمتر چیز ہے، اکبرالہ آبادی نے دنیا کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ:

کیا کہیں احباب ،کیا کارے نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے ،، پنشن ملی ، پھر مر گئے

یہ آئی ،ایس، آئی، پی ،ایس افسر کیا کرتے ہیں، صرف ڈیوٹی کرتے ہیں، پنشن لیتے ہیں ،مر جاتے ہیں، کوئی زندگی کا مقصد نہیں ہوتا ،حالانکہ یہ دنیا میں بہت بڑے کام کر سکتے ہیں، آج ساری محنت اچھے کمانے اور بچوں کو کھلانے پر ہو رہی ہے، اس کے علاوہ کوئی کام نہیں، صبح دفتر گئے، پھر واپس آئے، سو گئے، کوئی کام نہیں، یہ انسانی مقام سے کمتر چیز ہے۔

اپنے بچوں کو ناظرہ قرآن تک نہیں پڑھاتے ہیں، بڑی بڑی تعلیم دیتے ہیں، یہ کیا کام آئے گی، بیچارہ ناظرہ نہیں پڑھ سکتا، اور دنیاوی تعلیم ساری مادی ہے، کہیں کوئی اخلاقی نصیحت نہیں، صرف مقصد یہ ہے کہ کیسے کمایا جائے ،اور یہ مدرسے ہیں، جن کی وجہ سے اردو باقی ہے، ورنہ کہاں یہ لوگ اردو عربی پڑھاتے، قرآن تک پڑھا نہیں رہے ہیں۔

نافع بنئے:

فرمایا: آپ لوگ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، آپ کی زندگی کا مقصد ہونا چاہئے، آپ بڑے بنئے ،نافع بنئے ،نافع بننے کا مطلب دوسروں کو نفع پہونچایئے، خود غرض نہ بنئے ،خود غرض تو جانور بھی ہوتا ہے، جانور اپنے ساتھ کسی کو کھانے نہیں دیتا، آج یورپ کا یہی حال ہے، باپ بیٹے کو بیٹا نہیں کہہ سکتا، جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے، تو اس کو باپ گھر سے نکال دیتا ہے، جاؤ ہوٹل میں کام کرو، اخبار بیچو، اپنی زندگی کا انتظام خود کرو۔

ندوۃ العلماء کا امتیاز:

فرمایا: ندوۃ العلماء کا جب قیام ہوا تو مدارس بہت تھے، وہاں تعلیم ہوتی تھی، پھر

ندوہ کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ان مدارس میں ایک اضافہ نہیں ہے، بلکہ ایک مستقل تحریک ہے، دراصل مغربی لوگوں نے علم کے ذریعہ ہم پر غلبہ پایا، ہم کو بھی اس کو سیکھنا چاہئے، تاکہ ان ہی کی ترکیب سے ان کا توڑ کرسکیں، ندوۃ العلماء نے ان علوم کے لئے بھی اسباب مہیا کئے، یہاں زبان کی بڑی اہمیت ہے۔

علم حدیث میں مشغول رہنے والوں کے لئے بشارتیں:

فرمایا: علم حدیث میں مشغول ہونے والے حضرات کے لئے بڑی بشارتیں ہیں، حدیث میں آیا ہے: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءً ا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغُهُ غَيْرَهُ (اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس کو جس نے میری حدیث سنی، اور اس کو یاد کیا، اور دوسروں کو بلاکم وکاست پہونچایا)۔ (سنن ابوداود: ۳۶۵۲) سنن ترمذی: ۲۶۵۶)، میں کئی ایسے افراد کو جانتا ہوں کہ انہوں نے پوری زندگی حدیث کا اشتغال رکھا اور سنت پر عمل کیا تو ان کے چہرے پر وفات کے وقت اس کے اثرات نمایاں تھے، ایسی شخصیات میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، اور ہمارے استاذ حدیث مولانا شاہ حلیم عطا علیہ الرحمۃ، اسی طرح مولانا عبد الرشید نعمانی ندویؒ اور دار العلوم دیوبند کی مایہ ناز شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری، اور ان کے بعد وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا سید فخر الدین صاحب وغیرہ، اور جامعہ مظاہر علوم میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی، اور ان کے جانشیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مظاہر علوم میں جانشیں و شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری بھی بہت ممتاز نظر آئے، اور ان کے جنازہ میں غیر معمولی اژدحام سے ان کی مزید تائید اور مقبولیت ظاہر ہوئی، یہ سب برکت تھی اس کی جو انہوں نے حدیث شریف کی خدمت کی، اور آخر وقت تک اس کا مطالعہ جاری رکھا، اور اس کے فیض کو

دوسروں میں منتقل کرنے کا جو جذبہ تھا اس سے کام لیا، ان میں ربانیت کی صفت تھی، اس صفت نے ان کو بہت سے اساتذہ اور معاصر علماء میں ممتاز کیا، انہوں نے اس فن میں بڑی ترقی کی، اوران کا شہرہ برصغیر سے نکل کر بلاد عربیہ میں بھی ہوا، وہ بلا شبہ عظیم محدث اور ایک باکمال استاذ تھے، انہوں نے پوری زندگی علم حدیث کے لئے وقف کردی تھی، اور اس کے لئے دنیا کے دوسرے پہلوؤں سے اپنے کو دور کرلیا تھا، ان کی شخصیت کی تشکیل میں ایسے اساتذہ تھے، جنھوں نے ان کو اس عظیم مشن کے لئے تیار کیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی مولانا محمد یونس کو بہت تعلق خاطر رہا ہے، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے، اور ندوۃ العلماء تشریف لایا کرتے تھے، اس کی خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مولانا یونس کا تعلق جونپور سے تھا، اور جونپور اور اس کے اطراف میں مولانا کے خانوادہ کے ایک بزرگ مولانا محمد امین نصیر آبادیؒ اور خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نانا حضرت شاہ سید ضیاء النبی حسنی علیہ الرحمۃ کی دعوتی کوششوں کا زبردست اثر رہا ہے، گویا مولانا یونس صاحب دل میں اس کی قدر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ پوری عقیدت واحترام کے ساتھ باوجود اپنے علمی وزن کے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے حدیث کی سند لینے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سفر کیا، اور باقاعدہ اس کی اجازت حاصل کی، جو ان کو علامہ حیدر حسن خان ٹونکی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی) سے حاصل تھی، یہ چیز ندوہ کے اساتذہ وطلبہ میں ان سے عقیدت بڑھنے کا سبب بنی، اور یہاں کے اساتذہ وطلبہ کا وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں استفادہ کے لئے جانے کا آخر تک سلسلہ رہا۔

طلباء سے خطاب:

فرمایا: آپ لوگ یہاں دنیا لینے نہیں آئے ہیں، اگر دنیا لینی ہوتی تو اسکول جاتے، کالج جاتے، آپ وہ چیز لینے آئے ہیں، جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے لئے

بہتر بتائی ہے، آپ ایک طریقہ کار لینے آئے ہیں، آپ دین لینے آئے ہیں، کیا ہمارا مقصد زندگی یہی ہے کہ دنیا کیسے مل جائے، دوستی کریں تو دنیا کے لئے، دشمنی ہے تو دنیا کے لئے، ساری محنت دنیا کے لئے ہو رہی ہے، اسی کے لئے انسان جاگتا ہے، اور اسی کے لئے سوتا ہے، اور دن بھر اسی کے لئے مارا مارا پھرتا ہے، اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے دینی لوگوں میں بھی یہ بات آگئی ہے، یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ یہاں دنیا نہیں ملے گی، یہاں آپ کو دین کی تعلیم ملے گی، ہاں جتنا رزق مقدر کر دیا گیا ہے، وہ تو مل کر ہی رہے گا۔

صحیح مقصد کا تعین:۔

فرمایا: پہلے آپ اپنے ضمیر کو مخاطب کر کے یہ سوال کریں کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور یہ جواب مل جانے کے بعد کہ آپ یہاں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے آئے ہیں، تو پھر اب اپنے دماغ سے نکال دیجئے ہمارا کیا ہوگا؟ اگر کوئی دہلی جانے والی گاڑی پر بیٹھ کر کلکتہ جانا چاہے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ کیا اگر کوئی کپڑے کی دکان میں جا کر کتاب مانگے تو لوگ اسے بیوقوف نہیں کہیں گے، اگر آپ بھی غلط گاڑی پر بیٹھ گئے ہیں تو ابھی بھی موقع ہے، گاڑی بدل لیجیے۔

فرمایا: جب ہم طلبہ کو گھومتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے، تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ ہم آپ کا بھلا چاہتے ہیں، تفریح اور مزے کے لئے وقت ان کے پاس ہوتا ہے، جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا، جو لوگ سوچتے ہیں کہ ہم کو فلاں مقام تک پہونچنا ہے، وہ آرام و راحت سب بھول جاتے ہیں، آپ کے ساتھ یہ بھلا ہوا کہ اللہ نے آپ کو دین حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے، جو دونوں جگہ کام کی چیز ہے، اس دنیا کے اندر بھی آپ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں، اور آخرت میں بھی فلاح پائیں گے۔

سیرت کا معروضی مطالعہ:

فرمایا: سیرت کو معروضی انداز میں پیش کرنا ہی اس کا موثر ذریعہ ہے، لیکن یہ

ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ انسان کا ذاتی اثر کچھ نہ کچھ اس میں آ ہی جاتا ہے، نزہۃ الخواطر کی خصوصیت ہے کہ جس شخصیت کے لئے جو صفت طے کی گئی ہے، وہ اسی کے مطابق ہے، اور یہ بات ابن خلکان کے یہاں پائی جاتی ہے، حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صاحب اسلوب بننا چاہتے ہیں تو کسی ایک ادیب کو خاص کر کے پڑھنا چاہئے۔

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے بارے میں تأثر:

فرمایا: عربوں میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین نے ایک سوال کا جواب دیا، کیونکہ ان کے ذہن سے یہ بات بالکل محو ہو گئی تھی کہ مسلمان بھی دنیا کی ترقی وانحطاط میں مؤثر ہیں، حضرت مولانا نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا کہ دنیا میں اصل Fecter مسلمان ہیں، اس طرح ان کو حوصلہ ملا، اور انڈیا میں سیرت سید احمد شہید نے ایک سوال کا جواب دیا، آزادی کے ایام میں یہ کتاب منظر عام پر آئی، اس کتاب سے نیا جذبہ لوگوں میں پیدا ہوا، اور سید احمد شہیدؒ کا مقصد حقیقی سامنے آیا، ان دونوں کتابوں کے ذریعہ دونوں جگہ نئے نئے مسائل حل ہوئے۔

فرمایا: حضرت مولاناؒ کی ماذا خسر العالم جب تیار ہوئی تو حضرت نے مقدمہ کے لئے احمد امین سے درخواست کی، انہوں نے مقدمہ لکھا، لیکن بقول بعض مصری عالم کہ کتاب کا حق ادا نہیں کیا، اس میں صرف یہ لکھا کہ یہ کتاب مسلمانوں کے احساس کہتری کو دور کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔

فقہ السیرۃ کا مفہوم:

فرمایا: سیرت کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کو ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ سیرت محض معلومات کے لئے نہیں ہے، بلکہ سیرت عمل کے لئے اور نقل کے لئے ہے، لہذا جب کوئی چیز عمل کے لئے ہو تو اس کا مطالعہ اسی کے مطابق ہونا چاہئے، مطالعہ کرتے وقت پورا دھیان رکھنا چاہئے، بغور مطالعہ کرنا چاہئے، چونکہ اس کو عمل میں لانا ہے، اور عمل میں اسی وقت آئے، جب یاد رہے گا، اور جو چیز معلومات کے لئے ہوتی ہے، اس میں سرسری

مطالعہ سے بھی کام چل جاتا ہے، زیادہ دھیان کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اسی کو فقہ السیرۃ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے کس موقع پر کیا طریقہ استعمال کیا، اس کو سمجھے، اور اپنی زندگی میں اس موقع کے لئے اس کو نمونہ سمجھے، کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ موسیٰ اور ان سے پہلے کا جو دین تھا، اس میں کمی تھی، چونکہ دین اسلام کے بعد اب کوئی دین آنے والا نہیں، اس لئے اس کو مکمل کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے اس کے لئے کوئی مظہر ہونا چاہئے، تو اس کے لئے مظہر حضورﷺ کو بنایا گیا، لہذا دین کے بارے میں کوئی بھی رہنمائی حاصل کی جائے گی، تو وہ حضورﷺ کو دیکھ کر حاصل کی جائے گی، جب حضورﷺ مظہر ہیں تو مظہر کو کامل اور مکمل ہونا چاہئے، کیونکہ اگر مظہر نامکمل ہے تو دین کے مکمل ہونے کی بات صحیح نہیں ہوگی، اس لئے حضورﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة ”(أحزاب:۲۱) (تمہارے لئے آنحضور کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے) اور حضورﷺ نے فرمایا: صلوا كما رأيتموني أصلي ”(یعنی نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو) نہ کہ صرف یہ فرمایا کہ نماز پڑھو۔

ادبی افادات

عربی زبان کو بقا و دوام حاصل رہے گا :

فرمایا: زبان کا معاملہ عجیب ہے، ہر زبان میں تبدیلی کے مراحل پیش آتے ہیں، صرف عربی زبان اس سے مستثنیٰ ہے، وہ پندرہ سو سال سے اسی طرح باقی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، فارسی ہی کو دیکھ لیجئے وہ اپنے تیسرے مرحلہ میں ہے، پہلے فارسی، پھر پہلوی، پھر فارسی۔ فرمایا: عربی زبان باقی رہے گی اور اس زبان میں کوئی کتاب ہو تو وہ بھی باقی رہے گی، کیونکہ اس کا تعلق قرآن سے ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔

زبان سیکھنے کے تین درجے :

فرمایا: زبان کے سیکھنے کے تین درجے ہیں: لکھنا، بولنا، سننا، یہ تینوں بہت مفید ہیں، نصاب تعلیم اور اساتذہ اور طلباء بھی تعلیم میں اصل کردار ادا کرتے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کے انتظامات ہیں، لکھنے کے لئے انشاء اور تعبیر کا گھنٹہ ہے، بولنے اور سننے کے النادی العربی کا اسٹیج ہے۔

دارالعلوم کا نصاب، حالات کے موافق :

فرمایا: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس کا پڑھنے والا زمانے کے چیلنجوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس نصاب کو پڑھا جائے، صرف تفریح و تسکین کے لئے نہیں، بلکہ صلاحیت کو مضبوط کرنے کے لئے، مثال کے طور پر اگر جلیبی کھائیں گے تو صرف لطف آئے گا، لیکن غذا کھائیں گے، تو قوت پیدا ہوگی، اس لئے نصاب کی کتابوں کو پوری محنت اور توجہ سے پڑھنا چاہئے۔

کیا الفاظ کا صرف جان لینا کافی ہے؟

فرمایا: زبان میں صرف الفاظ کا جاننا کافی نہیں، بلکہ ان کا استعمال جاننا بھی ضروری ہے، مثال کے طور پر ناواقف اور بے وقوف دونوں کے لفظی معنی ایک ہیں، لیکن استعمال میں فرق ہے، دارالمصنفین میں ایک انگریز آیا تھا، وہ اردو کی مشق کر رہا تھا، اس نے مولانا شاہ معین الدین ندویؒ (سابق ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ) کو ادھر ادھر جاتا ہوا دیکھا تو کہا کہ آپ کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں، اس نے یہ محاورہ یاد کر لیا تھا، لیکن اس کا استعمال غلط جگہ ہوا، اسی طرح غصہ اور نفرت عربی زبان میں الگ الگ معنوں میں ہیں، غصہ کسی اٹکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، اور جانور کے بدکنے کو نفرت کہتے ہیں، لیکن اردو میں ناراضگی اور کراہت کے معنی میں ہے، قال کے معنی صرف کہنے کے نہیں ہیں، بلکہ دل سے کسی بات کے کہنے کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ زبان رسالت سے ادا کیا گیا: قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا (دل سے لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے) اور مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جس نے دل سے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

عربی کا ذوق کیسے پیدا ہو؟

فرمایا: عربی کا ذوق قرآن وحدیث کے پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے، مستند ادباء کی تحریریں بھی پڑھی جائیں، عبدالحمید بن یحیٰ کاتب، جاحظ وغیرہ کی کتابیں خالص عربیت کی ترجمان ہیں، ویسے ۱۱۰ھ تک کا عہد خاص اہمیت کا حامل ہے، یہ زمانہ عجمی اثرات سے محفوظ ہے، اس لئے اس وقت تک کا ادبی سرمایہ مستند سمجھا جاتا ہے، جریر وفرزدق وغیرہ تک کا عہد۔

الفاظ کا صحیح استعمال:

فرمایا: عربی زبان کی تعلیم میں صرف زبان پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے، ورنہ وہ عام فقہ کی کتابوں کی طرح ایک درس ہوگا، اس میں کیفیت اور خصوصیت کی طرف توجہ کرنی چاہئے، لغت کے لحاظ سے بعض الفاظ صحیح ہوتے ہیں۔ لیکن عرف اور کیفیت کے لحاظ سے ان

کے دوسرے معنی ہوتے ہیں، لکھنؤ ہی کی بات ہے کہ نواب صاحب کی مجلس میں انشاء اللہ خاں انشاء نے کہا کہ میں نجیب الطرفین ہوں، اس پر نواب صاحب نے کہا کہ میں بھی نجیب الطرفین ہوں، اس پر انشاء صاحب نے کہا: ہاں! آپ انجب الطرفین ہیں، انجب الطرفین (.....) برے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اگرچہ لغوی اعتبار سے اس میں کوئی خرابی نہیں۔

فرمایا: شیخ عبدالمنعم نمر مصر کے ایک بڑے عالم گذرے ہیں، اور وزیر اوقاف بھی رہے، انہوں نے ایک کتاب لکھی، اس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے مقدمہ لکھوایا، مولانا نے مقدمہ تحریر کیا، اور اس میں ایک لفظ آیا ''بسیط'' مولانا نے لغت کے لحاظ سے مبسوط کے معنی میں لیا، لیکن انہوں نے اس کو بسیط (معمولی) کے معنی میں سمجھا، اور ناراضگی کا اظہار کیا۔

فرمایا: ایک صاحب ندوہ میں آئے، انہیں فون کرنا تھا، تو انہوں نے اجازت طلب کی، اور کہا کہ "أ تـــأذن لـــي" (کیا اجازت ہے؟)، اس پر ایک صاحب نے جواب دیا، "أنـــت مـــأذون" (یعنی تمہیں اجازت ہے)، لغوی اعتبار سے جملہ صحیح ہے، لیکن مأذون (قاضی نکاح) کے معنی میں آتا ہے، عرف میں اس طرح الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

فرمایا: کتب خانہ ندوۃ العلماء میں مخطوطات پر کام کرنے کے لئے چند عرب آئے، ان میں ایک نوجوان تھا، اس کی منگنی ہوگئی تھی، وہ اس کا تذکرہ بھی کرتا تھا، ایک صاحب نے کہہ دیا کہ میں آپ کے نکاح میں شریک ہوں گا، جملہ کوئی برا نہیں تھا، لغوی اعتبار سے صحیح تھا، لیکن عربی میں نکاح عمل خاص (مباشرت) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ نکاح کرنے کے لئے ''عقد القران'' قران کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ فرق ہوتا ہے الفاظ کے صحیح استعمال نہ کرنے کا۔

منثورات ایک جامع انتخاب:

فرمایا: ادبی شہ پاروں کا ایک جامع انتخاب ''مختارات من ادب العرب'' کی دو جلدیں ہیں، القراءۃ الراشدۃ سوم اور مختارات اول کے درمیان طلباء کے معیار کے لحاظ

سے ایک خلا محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ ''منثورات من ادب العرب'' کے ذریعہ اس خلا کو پر کیا گیا۔ جس وقت یہ کتاب زیر ترتیب تھی، اس وقت تقریباً ۳۰۰ کتابیں میرے زیر مطالعہ تھیں۔ بعض مدارس میں صرف حریری کو پڑھا کر سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے زبان پڑھادی، جب کہ یہ زبان سیکھنے کی کتاب نہیں ہے۔

صحبت اور زبان کی اہمیت:

فرمایا: دو چیزیں ضروری ہیں: ایک صحبت اور دوسری زبان، صحبت کا اثر دل پر اور زبان کا اثر دماغ پر پڑتا ہے، اگر حقیقت کے مطابق زبان ہو تو اس کا زبردست اثر ہوتا ہے، بزرگوں کے مواعظ میں ایسی تاثیر ہوتی ہے، جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی، علامہ ابن الجوزیؒ کے مجالس کی تاثیر غیر معمولی تھی کہ انسان دم بخود ہو جاتا تھا۔

عربوں کا مزاج:

فرمایا: عرب سادہ لوح تھے، اس لئے جتنا سنا، دوسروں تک پہونچا دیا، اگر وہ عجمیوں کی طرح نکتہ آفرینی کرتے تو صحیح صورت سے منتقل نہیں کر سکتے تھے، جہاں جہاں عرب گئے، وہاں اسلام کا براہ راست تعارف ہوا، جہاں ان کے شاگرد گئے، وہاں اسلام سکینڈ ہینڈ (بالواسطہ) پہنچا۔

عربی اشعار یاد کیجئے:

فرمایا: عربی اشعار یاد کیجئے، اشعار سے عربی ذوق پیدا ہوتا ہے، اشعار سے ثقافت کی بھی نمائندگی ہوتی ہے، عربی شاعری میں انسانی قدریں جس مقدار میں پائی جاتی ہیں، کسی دوسری زبان کی شاعری میں نہیں پائی جاتی ہیں، اموی شاعر قطامی کے اشعار اس کا بہترین نمونہ ہیں، اس نے کہا:

و من تكن الحضارة أعجبته   فأي رجال بادية ترانا

ومن ربط الجحاش فإن فينا   قنا سلبا و أفراسا حسانا
و كن إذا أغرن على جناب   و أعوزهن نهب حيث كانا
أغرن من الضباب على حلول   و ضبة ، انه من حان حانا
و أحيانا على بكر أخينا   إذا لم نجد الا أخانا

ترجمہ:(جس کو تمدنی زندگی اچھی لگے تو وہ متمدن علاقوں میں جائے ہم تو دیہات کے رہنے والے ہیں تو اے مخاطب! تو دیہات کے لوگوں میں ہم کو کیسا پاتے ہو، دیہاتی لوگوں میں جو گدھے پالتے ہیں وہ پالا کریں، ہمارے پاس تو جان لیوا نیزے اور خوبصورت گھوڑے ہیں، یہ گھوڑے جب قبیلہ جناب پر حملہ آور ہوتے ہیں اور لوٹ کھسوٹ میں کچھ ہاتھ نہیں آتا تو قبیلہ ضباب اور ضبہ کے مقیم افراد پر حملہ آور ہوتے ہیں، جس کے لئے ہلاک ہونا مقدر ہوتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، اور ہم کبھی کبھی اپنے بھائی بکر پر حملہ آور ہو جاتے ہیں، جب ہم صرف انہیں کو پاتے ہیں)۔

خطبہ نبوی ادب کا شاہکار:

فرمایا: حضورﷺ کا وہ خطبہ جو انصار کے سامنے اس وقت دیا تھا، جس وقت حضور نے فتح مکہ کے موقع پر مؤلفۃ القلوب کو مال غنیمت زیادہ دے دیا تھا، یہ خطبہ ادب کی شاہکار ہے۔

چند ادباء اور ان کا میدان اختصاص:

فرمایا: سیف الدولۃ اور متنبی دونوں شام کے ہیں، معرۃ النعمان شام ہی میں تھا، وہاں کا رہنے والا ابوالعلاء معری تھا، مزید فرمایا: احمد امین مؤرخ بھی ہیں اور ادیب بھی، ان کی ادبی خصوصیات ”حیاتی“ اور ”فیض الخاطر“ میں نمایاں ہیں، اور ”فجر الاسلام“ ”ظہر الاسلام، ضحیٰ الاسلام“ کتابوں میں وہ ایک مؤرخ کی حیثیت سے نمایاں ہیں۔ فرمایا: سیرت ابن ہشام سیرت پر جامع کتاب ہے، وہ ادبی لحاظ سے اور مواد کے لحاظ سے بہت اہم کتاب ہے۔

حدیث نبوی کے ادبی شہ پارے:

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں دو دعائیں ماسٹر پیں (Master piece) ہیں، ایک طائف کی، دوسری عرفات کی، ان میں انسانی نفسیات کی بھرپور ترجمانی پائی جاتی ہے، ایک مضطر اور ستم رسیدہ جس طرح اپنی شکایت اللہ کے حضور کرسکتا ہے، اس کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

طائف کی دعاء:

اللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَىٰ النَّاسِ۔ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ! وَأَنْتَ رَبِّيْ! إِلىٰ مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلىٰ بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلىٰ عَدُوٍّ مَلَّكْتَه أَمْرِيْ؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ، غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَه الظُّلُمَاتِ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبَىٰ حَتّٰى تَرْضَىٰ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ"۔

(اے اللہ! میں صرف تجھ سے اپنی ناتوانی، بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ذلت بیان کررہا ہوں، یا ارحم الراحمین! تو، کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے حوالے کررہا ہے؟ ایک اجنبی کے، جو ترش روئی کا معاملہ کررہا ہے، یا کسی دشمن کے، جسے مجھ پر قابو دے رکھا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں، البتہ تیری عافیت میرے حق میں سبب کشائش ہے۔ تجھ

سے تیرے نور کے واسطے سے جس سے تاریکیاں روشنی میں بدل گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیری ناراضگی مجھ پر اترے یا تیرے غصے کا شکار بنوں۔ تیری خوشی و رضامندی مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تجھے چھوڑ کر نہ کوئی تدبیر ہے نہ طاقت۔)

عرفات کی دعاء:

اور میدان عرفات میں آپ ﷺ کی دعا یوں تھی:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَ تَرَىٰ مَكَانِيْ وَتَعْرِفُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ، لَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِيْ، أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ۔ أَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنَ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ، وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ، وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ أَنْفُهٗ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا، وَكُنْ لِيْ رَؤُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ!!"۔

(اے اللہ! تو میری باتیں سن رہا ہے، میری جائے وقوف تیری نگاہوں میں ہے، میرے ہر باطن سے تو واقف ہے، میری کوئی چیز تجھ سے اوجھل نہیں۔ میں سراپا احتیاج و بے مایہ، مدد کا طلب گار، پناہ کا سوالی، ڈرا، سہما، اپنے گناہ کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔ میں تجھ سے بے کسوں اور شکستہ دل لوگوں کی طرح درخواست کرتا ہوں۔ میں تیرے حضور گنہ گار رسوا کی طرح گریہ وزاری کرتا ہوں، اور میں تجھ سے ڈرے، لٹے، نقصان زدہ شخص کی

طرح دعا کرتا ہوں، اس شخص کی دعا جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، اور جس کے آنسو زار و قطار تیرے خوف سے بہہ رہے ہوں، اور جس کا سروقد تیرے سامنے رسوا ہو اور جس کی ناک تیرے لئے خاک میں مل چکی ہو۔ اے اللہ! مجھے اپنی دعا میں مطلوب سے محروم مت کیجئے۔ اے بہترین ذات جس سے درخواست کی جائے اور سب سے بہترین نوازنے والے میرے حق میں رؤوف رحیم ہو جایئے۔)

شعر میں دیوان حماسہ اور نثر میں مختارات بہترین انتخاب:

فرمایا: دیوان حماسہ بہت عمدہ انتخاب ہے، اس میں تین عہد کے اشعار پیش کئے گئے ہیں، جاہلی، اسلامی، عباسی، فرمایا: جاہلی شعراء میں وجدان پایا جاتا ہے، اور وجدان کا مطلب کیفیات کی ترجمانی ہے، ادب میں واقعات نہیں بیان کئے جاتے، بلکہ کیفیات بیان کی جاتی ہیں۔

اسی طرح نثر میں مختارات بہترین انتخاب ہے، عرب ادباء نے اس کا اعتراف کیا ہے، مختارات میں عہد اول سے لے کر موجودہ عہد کے نمونے موجود ہیں، اور وہ تاریخ کے ساتھ فکر اسلامی کی آبیاری میں معاون ہیں۔

ادباء کے امتیازات:

فرمایا: متنبی، ابوتمام، اور معری کے یہاں عقلیت پائی جاتی ہے، بحتری اور ابو فراس کے یہاں ادبیت ہے، اسی تناظر میں متنبی کا یہ جملہ قابل ذکر ہے: "أنا و أبو تمام حکیمان، و الشاعر هو البحتری" (میں اور ابوتمام حکمت کی باتیں کرتے ہیں، اور اصل شاعری تو بحتری کے یہاں ہے)۔ فرمایا: میں نے برسوں تاریخ ادب عربی پڑھائی ہے، اس سے مختلف شعراء کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں، احمد حسن زیات کی کتاب "تاریخ الادب العربی" بہت اچھی ہے، لیکن اس کا اسلوب ادبی ہے، تاریخی نہیں۔ فرمایا: میرے محبوب ادباء میں ابوفراس حمدانی اور شریف رضی وغیرہ ہیں، شریف

رضی بڑا ادیب ہے، وہ مدح اور فخر کا شاعر تو ہے ہی، لیکن غزل کے اشعار بھی اس کے یہاں پائے جاتے ہیں، شیخ علی طنطاوی نے یہ بات اپنے ایک مضمون میں لکھی ہے۔

تعلیم میں تصحیح اور تنبیہ:

فرمایا: تعلیم میں تنبیہ اور تصحیح کی بڑی اہمیت ہے، بغیر تنبیہ کے بتائی ہوئی باتیں ازبر نہیں ہوتی ہیں، میں درجہ دوم میں تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا انشاء کا گھنٹہ تھا، میں نے غلطی سے ''اس نے اس سے کہا'' کا ترجمہ کیا: قال منہ، جبکہ قاعدہ کے لحاظ ''قال لہ'' ہونا چاہیئے، حضرت مولانا کو بہت غصہ آیا، انہوں نے فرمایا: کہ ''قال لہ'' بار بار لکھو، ظاہر ہے کہ جب انسان کی تنبیہ اس طرح ہوگی، تو کبھی نہیں بھولے گا۔

تعلیم میں دو چیزوں کی بڑی اہمیت:

فرمایا: تعلیم میں دو چیزوں کی بڑی اہمیت ہے: ایک درسی کتابوں کی، دوسرے خارجی مطالعہ کی، درسی کتابیں تو بڑی گہرائی سے پڑھی جاتی ہیں، لیکن خارجی کتابیں ذرا تیز رفتاری سے پڑھی جاتی ہیں اور ۷۰-۸۰ رفیصد حصہ سمجھ میں آرہا ہے تو مطالعہ جاری رکھنا چاہیے۔

الفاظ اور صلات کا فرق اور محاروں کی اہمیت:

فرمایا: عربی میں حروف کی بڑی اہمیت ہے، ان کا ذرا سا بھی فرق معنی میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے، ''رغب عن'' کے معنی بے رغبت ہونا، اور ''رغب فی'' کے معنی دلچسپی لینا ہے ''ضرب فی الارض'' سفر کرنا، اور صرف ''ضرب'' مارنے کے معنی میں آتا ہے، میں نے معلم الانشاء ثالث میں اس طرح کی مثالیں جمع کردیں ہیں، اس کتاب میں جملوں کو چھوٹا بڑا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اور مضمون نویسی کے عناصر کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

فرمایا: بزرگ فارسی میں بڑے کو کہتے ہیں، لیکن اردو میں اس کو نیک اور بڑے کے معنی میں لیتے ہیں۔ فرمایا: زبان وادب میں محاوروں کی بڑی اہمیت ہے، یہ محاورے اپنی پہچان رکھتے ہیں، اردو میں ایک قطرہ پانی بھی نہیں ہے، اس کے لئے عربی میں کہتے

ہیں:لیس الماء موجودا ، ولو نقطة،اسی طرح اقبال کا شعر ہے ؎

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا، نہ تن

اس شعر میں اگر ایک مرتبہ پانی استعمال کیا جاتا تو محاورہ باقی نہیں رہتا۔

فرمایا:دشمنوں نے قوموں کو بدنام کرنے کے لئے الفاظ غلط استعمال کیا ہے،بربر ایک قوم ہے،اس سے بربریت نکلا،اسی طرح دیگر الفاظ ہیں۔

فرمایا:عقل کے معنی اردو میں دانائی اور فہم وفراست کے ہیں،لیکن عربی میں ادنیٰ واقفیت کو بھی عقل کہتے ہیں،عرب عام گفتگو میں معقول معقول کا لفظ استعمال کرتے ہیں، سمجھے یا نہیں؟ کے معنی میں آتا ہے۔

فرمایا:''نفر'' کے معنی جانور کا بدکنا،لیکن قرآن میں ''فلولا نفر''اور''انفروخفافا و ثقالا'' آیا ہے،اس میں اہتمام کے ساتھ علم حاصل کرنا،اور لپک کر جنگ میں جانا مراد ہے۔

فرمایا:قل کے معنی صرف کہہ دینے کے نہیں ہیں، بلکہ یقین کرنے اور دل سے ماننے کے ہیں،امر کے معنی حکم دینے ہی کے نہیں، بلکہ مشورہ دینے کے معنی میں ہیں۔

شاعر کہتا ہے:

أَمَرْتُهُمْ أَمْرِيْ بِمُنْعَرِجِ اللِّوَى
فَلَمْ يَسْتَبِيْنُوْا الرُّشْدَ إِلَّا ضُحَى الْغَدِ

(میں نے ان کو وادی کی موڑ پر مشورہ دیا،لیکن آئندہ کل چاشت کے وقت ان کو میرے مشورے کی معنویت سمجھ میں آئی)۔

فرمایا:''ضال'' مذہب کے سلسلہ میں حیرانی،اس طرح ''وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى '' کا ترجمہ ہوگا کہ (آپ صحیح مذہب کی تلاش میں حیران وپریشان تھے،تو اللہ تعالی نے آپ کی رہنمائی فرمائی)۔

فرمایا:''احبار''اور''رہبان'' میں فرق ہے،احبار یہودی عالم کے لئے استعمال

ہوتا ہے، جب کہ رہبان عیسائی عالم کے لئے، ان لوگوں نے علم کو اپنے ساتھ خاص کرلیا تھا، عوام سے اس کا تعلق نہیں تھا، ان کو اگر کچھ معلوم کرنا ہوتا تھا تو وہ انھیں کے پاس آتے تھے، اسی تناظر میں ارباب کا لفظ استعمال کیا۔

قرآن کے اسالیب:

فرمایا: قرآن میں مختلف اسالیب ہیں، ایک ہی سورت میں کبھی کبھی دو اسلوب اختیار کئے گئے ہیں، سورۂ مریم کو دیکھئے، زکریا، فریا، مقضیا وغیرہ کا اسلوب ہے، اس کے آخری حصہ میں "ادا، ھدا، لدا" کا اسلوب ہے۔ بعض ادباء نے لکھا ہے: کلام کی تین قسمیں ہیں، (۱) نظم (۲) نثر (۳) اور قرآن، کیونکہ قرآن نہ نظم ہے اور نہ نثر۔

نفسیات کا لحاظ:

فرمایا: سورۂ عادیات میں عربوں کی نفسیات کا خیال رکھا گیا ہے، ان کو گھوڑوں سے غیر معمولی محبت تھی، ایک شاعر کہتا ہے کہ گھوڑے کو دینا مشکل کام ہے، اس کے لئے بچوں کو بھوکا رکھا جاتا ہے، (یجاع لها العيال ولا تجاع)، لیکن گھوڑے کو بھوکا نہیں رکھا جاسکتا، عربوں کی گھوڑے سے محبت کی وجہ سے اللہ نے پانچ آیتوں میں ان کا تذکرہ کیا، اس سے ان کا ذہن بات کو سننے کے لئے تیار ہوگیا، پھر اصل مضمون کو بیان کیا، ایک انگریز سیاح نے عرب گھوڑے کی خصوصیات بیان کی ہیں، میں نے اپنی کتاب جزیرۃ العرب میں اس کا اقتباس نقل کیا ہے۔

احمد امین کی علمی تصنیفات:

فرمایا: فجر الاسلام اور ضحیٰ الاسلام اور ظہر الاسلام احمد امین کی بہت جامع کتاب ہے، اس میں اسلام کی فکری تاریخ آگئی ہے، مصر کے تین ادباء نے اسلام کی ادبی، فکری اور سیاسی تاریخ لکھنے کا پروگرام بنایا تھا، جن میں احمد امین کی یہ کتابیں سب سے پہلے فکری عقلی تاریخ ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ بھی اس سے متاثر تھے، ان کے نسخہ میں

جا بجا حواشی موجود ہیں، جو ناقدانہ بھی ہیں، احمد امین نے محدثین پر کلام کیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، حضرت مولاناؒ کی مصر میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کا تذکرہ کیا، اور اپنی ناقدانہ رائے بھی ظاہر کی، دوسرے حسن ابراہیم حسن ہیں، انہوں نے سیاسی اور ثقافتی تاریخ لکھی ہے، تیسرے شوقی ضیف ہیں، انہوں نے ادبی تاریخ لکھی ہے، طہٰ حسین نے دینی تاریخ لکھی ہے، مگر سب اِدھر کا اُدھر کردیا اور بہت نقصان پہونچایا۔

قصص النبیین اور القراءۃ الراشدۃ کی تالیف:

فرمایا: قصص النبیین اور القراۃ الراشدۃ کی تالیف سے پہلے ندوہ میں زبان کے لئے القراءۃ الرشیدۃ اور حکایات الاطفال داخل تھی، یہ دونوں کتابیں مصری ادباء کی مرتب کردہ ہیں، ان میں مصری ثقافت اور تہذیب کی عکاسی ہے، جس سے ہندوستان کے طلبہ کے لئے خاطر خواہ فوائد نہیں تھے، اس لئے مولانا نے قصص النبیین اور القراءۃ الراشدۃ لکھی ہے۔

تین چیزیں طلبہ کے لئے بے حد ضروری:

فرمایا: علم، فکر اور تعبیر تینوں چیزیں طلبہ کے لئے ضروری ہیں، تعبیر کا بڑا اثر ہوتا ہے، مخاطب کے لحاظ سے گفتگو کرنا بڑا اثر رکھتا ہے، قرآن کی سورۂ عادیات میں اس کی مثال موجود ہے، پہلے گھوڑے کی خصوصیت بیان کی، پھر اصل موضوع کا تذکرہ کیا۔

علم اور ادب میں فرق:

فرمایا: علم اور ادب میں فرق ہے، علم نام ہے معلومات کے جاننے کا، اور ادب مؤثر انداز میں بات کو پیش کرنے کا، علم کا تعلق عقل سے ہے اور ادب کا تعلق دل سے، ادب کی دو قسمیں ہیں: ادب عام اور ادب خاص، جس میں ادبی خصوصیات کا غلبہ ہو وہ ادب خاص ہے، اور جس میں ادبی خصوصیات کا غلبہ نہ ہو وہ ادب عام ہے۔

علم اور ادب کا اجتماع ہوسکتا ہے، خالص معلومات کا نام علم ہے، تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ وغیرہ میں بھی ادب ہوتا ہے۔ ابن ہشام کی سیرت نبویہ ادب کا شاہکار

ہے،ایک جملہ ہے کہ ”ما ھذا الغلام منك؟“ یہ بحیری راہب کا جملہ ہے،اس نے ابو طالب سے استفسار کیا تھا،ابن ہشام نے (آپ کا اس سے کیا تعلق ہے؟) اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے یہ جملہ استعمال کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بڑا عمدہ اور اچھا جملہ ہے،پوری حقیقت اس میں آگئی ہے۔

بعض ادباء کا کمال:

فرمایا:ادباء میں بعض افراد نے حرف جر کے استعمال سے بڑے بڑے معانی پیدا کئے ہیں،جاحظ کو اس میں امتیاز حاصل ہے،اس کی کتابیں علم وادب کا خزینہ ہیں،اس کی بعض کتابیں خالص علمی انداز کی حامل ہیں،اگر ذوق نہیں ہے تو اندازہ ہوگا کہ یہ صرف معلومات کا مجموعہ ہیں،عبدالحمید کاتب کے یہاں بھی علم وادب کا اجتماع ہے،حریری کے یہاں الفاظ کا علم ہے،اور وزن وقافیہ اور تفریحی قصہ۔

بیسویں صدی میں بعض افراد نے ادب کو صرف تفریحی مقاصد تک محدود کیا تھا تو ادب اسلامی کے نظریہ کا انکشاف کیا گیا،اور رابطہ ادب اسلامی قائم ہوا۔

عربی زبان میں کیفیات کا اثر:

فرمایا:عربی زبان میں معنی کے علاوہ کیفیات کا بھی خاص اثر ہوتا ہے،بغیر کیفیات کا علم حاصل کئے ہوئے ادب کا لطف حاصل نہیں ہوسکتا،ڈر کے لئے عربی میں کئی الفاظ ہیں(۱) الخوف عام ڈر کے لئے (۲)الذعر گھبراہٹ کے لئے(۳)الاشفاق محبت والے ڈر کے لئے(۴)الحذر آئندہ آنے والے خطرہ سے بچاؤ کے لئے (۵)الخشیۃ دل سے ڈرنے کے لئے۔

ادب کسے کہتے ہیں؟

فرمایا:ادب کہتے ہیں پرتاثیر عبارت کو،جس سے کہنے والے کے تأثرات ایسے مؤثر انداز میں سامنے آتے ہیں کہ وہ دلوں کو متاثر کردیں۔

حطیئہ کا شعر ہے:

قَوْمٌ هُمُ الْأَنْفُ وَالْأَذْنَابُ غَيْرُهُمْ
وَمَنْ يُسَوِّيْ بِأَنْفِ النَّاقَةِ الذَّنَبَا

(قوم ناک ہیں اور دوسرے لوگ دم ہیں، تو کہاں انف الناقۃ اور کہاں دم؟)

پہلے اصلاً أنف کا استعمال قوم کے لئے کیا جاتا تھا، اس طرح کہ اس میں تحقیر کا پہلو نکلتا تھا، لیکن حطیہ نے أنف کا استعمال ایسے انداز میں کیا ہے کہ أنف کی معنویت دو چند ہوگئی ہے، مطلب یہ ہے کہ لوگ اصل ہیں، اور دوسرے لوگ دم ہیں، کہاں ناک اور کہاں دم دونوں میں کیا مقابلہ؟

ادب پر اسلام کا اثر:

فرمایا: ادب کے صالح اور تعمیری ذخیرہ کا انکشاف کرنا اور بتانا کہ ادب کا تعلق زندگی اور کائنات اور انسان سے ہے، یہ وہ بنیادی فکر ہے، جس کے لئے باذوق ادباء کو کوشش کرنی چاہیئے، صالح اور الحادی ادب ہر زمانہ میں پایا جاتا ہے۔

ادب کے تعلق سے یہ نظریہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہ صرف تفریح طبع اور تسلی ذوق کا ذریعہ اور لطف حاصل کرنے کا وسیلہ ہے، اس نظریہ کو کالعدم قرار دے کر تعمیری پہلو کو اجاگر کرنا ضروری تھا، یہی رابطہ ادب اسلامی کا مقصد ہے، سب سے پہلے اس فکر کو حضرت مولانا نے ایک مضمون کی شکل میں پیش کیا، جو مختارات کا مقدمہ بنا، اس مضمون کو پڑھ کر ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت باشا متاثر ہوئے، انہوں نے ایک کمیٹی قائم کرنے کی بات کہی، اس سلسلہ کا پروگرام ریاض میں ہونا تھا، لیکن وہاں کے بعض حالات کی وجہ سے ندوۃ العلماء میں 1981ء میں ایک پروگرام منعقد ہوا، اس میں بیرون ممالک سے بھی بڑی تعداد میں ادباء وشعراء شریک ہوئے، پھر چند سال کے بعد باقاعدہ انجمن قائم کرنے کے لئے "رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ" کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی، اس کے دو دفتر قرار پائے، ایک لکھنؤ انڈیا میں، دوسرا ریاض میں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تاحیات اس کے صدر رہے، ان کے انتقال کے بعد ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح اس کے صدر بنائے گئے، اور مجھے نائب صدر تجویز کیا گیا۔

الفاظ میں معنی کے ساتھ کیفیات بھی ہوتی ہیں:

فرمایا: مؤثر اور بہترین اسلوب میں اپنی بات کہنے کا نام ادب ہے، الفاظ کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک معنی اور دوسری کیفیت، ان دونوں کا علم ہوگا تو زبان و ادب کا لطف حاصل ہوگا، مثال کے طور پر آؤ اور آیئے، دونوں میں معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، لیکن جہاں آیئے کہنا ہو، وہاں آؤ کہہ دیں تو بات بگڑ جائے گی، گویا کیفیت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

ایک ادبی اشکال اور اس کا جواب:

ابوتمام کا شعر ہے:

اِقْدَامُ عمرٍو فِیْ سَمَاحَةِ حَاتِمٍ   فِیْ حِلْمِ أَحْنَفَ فِیْ ذَکَاءِ اِیَاسِ

(عباسی خلیفہ عمرو بن معدی کرب کی طرح اقدام کرنے والے، حاتم طائی کی طرح سخاوت کرنے والے، احنف بن قیس کی طرح حلیم اور ایاس بن قائف کی طرح ذہین ہیں)۔

یہ شعر اس نے عباسی خلیفہ کی تعریف میں کہے ہیں، اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خلیفہ کو کمتر لوگوں سے تشبیہ دی، اس پر برجستہ اس نے کہا:

لَا تُنْکِرُوْا ضَرْبِیْ لَهٗ مَنْ دُوْنَهٗ   ضَرْبًا شَرُوْدًا فِی النَّدٰی وَالْبَأْسِ

فَاللّٰهُ قَدْ ضَرَبَ الْأَقَلَّ لِنُوْرِهٖ   مَثَلًا مِنَ الْمِشْکَاةِ وَالنِّبْرَاسِ

(اس نے کہا: سخاوت اور طاقت وقوت میں ایک نئی مثال پیش کرنے سے تم حیرت واستعجاب میں نہ پڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نور کی مثال طاق اور چراغ سے دی ہے)

عربوں کی شاعری حقیقت کی ترجمان ہے:

فرمایا: عربوں کی شاعری حقیقت کی ترجمان اور فطرت سے قریب ہے، اس میں انسانی جذبات واحساسات کی جس قدر عکاسی ہے، کسی اور شاعری میں نہیں پائی جاتی، دوسری شاعری تخیلات، بلند پروازی اور نکتے پر مبنی ہوتی ہے، لیکن عربی شاعری میں خصوصاً سچائی اور امانت داری کی بھرپور ترجمانی ہے، اور تصنع وتکلف سے دور ہے، ان کی ہجو گوئی بھی بہت مؤثر

ہوتی ہے، اور تحقیر کا پہلو ہوتا ہے، ہجو کے مقابلہ میں فخر کی صنف تھی، وہ اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور تکلف سے دور ہے، ان کی ہجو گوئی بھی بہت مؤثر ہوتی ہے، اور تحقیر کا پہلو ہوتا ہے، ہجو کے مقابلہ میں فخر کی صنف تھی، وہ اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور ایسی باتوں پر فخر کرتے ہیں، جن پر دوسرے افراد بھی فخر کرتے ہیں۔ مولانا نے ڈاکٹر عبدالمجید ندوی کو ان کی کتاب (ہجو گوئی عہد بنی امیہ میں) میں مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ یہ اپنے موضوع پر اہم کام ہے، اور اس تاریخ ہجو کا بڑا اچھا جائزہ لیا ہے، اور دوسرے اصناف شاعری، اور اس کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے، یہ عربی زبان کا ذوق رکھنے والے لوگوں کے لیے بہت قیمتی اور مفید کتاب ہے، اس کتاب سے ان کو شاعری کی مراد کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

عربی زبان میں محاوروں کی بڑی اہمیت ہے:

فرمایا: ایک مرتبہ چند چور آئے اور ایک شخص کے اونٹ ہنکا لے گئے، اس زمانہ میں اونٹ کی بڑی اہمیت تھی، اس شخص نے ان کو پیچھا کیا، لیکن ان کو نہیں پا سکا، جب یہ عاجز ہوا، تو وہ ایک اونچے ٹیلے پر گیا، اور اس نے ان کو جی بھر کے گالی دی۔ اور واپس آیا، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا، اس نے کہا کہ ان کو تو پا نہیں سکا، لیکن خوب کھری کھری سنائی، اسی موقع کے لیے یہ محاورہ عربی میں مشہور ہوا۔ أوسعتهم سبا وأودوا بالابل (میں نے ان کو خوب گالی دی، اور وہ اونٹ لے کر چلے گئے۔

ادب سے بڑے انقلابات آئے ہیں:

فرمایا: عام طور پر لوگ ادب کو ایک معمولی چیز اور تفریح طبع کا سامان سمجھتے ہیں، اس کو وہ اہمیت نہیں دیتے، جو اس کو حاصل ہے، ادب نے تاریخ میں بڑا اثر ڈالا ہے، اور بعض وقت اس کے اثر سے انقلابات آئے ہیں، ادب اپنا اثر بہت خاموشی کے ساتھ ڈالتا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ معاشرہ کے اخلاق اور طور وطریق کی تشکیل میں ادب کا نمایاں حصہ ہوتا ہے، اور بار بار ایسا ہوا ہے، یہ کوئی وقتی بات نہیں، بلکہ دانشور اور اہل قلم جو تحریر کرتے ہیں، وہ اپنے اپنے زمانہ

میں ان تحریروں کے ذریعہ اپنے معاشرہ کی تشکیل کرتے رہتے ہیں، حالات کی مطابقت سے تحریریں دنیا میں آتی ہیں، پھر حالات میں ان کے اثر سے تبدیلی آتی ہے، پھر دوسری تحریریں آتی ہیں، ہر ایک کا ایک دور ہوتا ہے۔

یورپ کا الحادی ادب اور اس کا دفاع:

فرمایا: اسلام کے آنے کے بعد اسلام اور اسلامی ادب کا جو اثر مسلم معاشرہ پر پڑا وہ صدیوں تک جاری رہا، اور برسوں تک اس کا سلسلہ قائم رہا، لیکن جب یورپ کو غلبہ حاصل ہوا، تو اس کا ادب ہمارے سامنے آنا شروع ہوا، جو اسلامی قدروں کو بدل رہا تھا، عام طور پر لوگوں نے اس کو محسوس نہیں کیا، ہمارے جو مسلمان دانشور تھے، اور صحیح الفکر تھے، وہ اپنے حدود کے اندر اس کے مقابلہ میں اپنا ادب پیش کرتے رہے، لیکن ان کی مقدار بہت کم تھی، اور وہ اصل خطرہ کو سامنے رکھ کر تیار نہیں کیا جا رہا تھا، وہ ادب اس طور پر تھا کہ بڑی حد تک ہمارے معاشرہ کی غمازی کرتا تھا، ہمارے معاشرہ کے کردار کو اور اس کے طور وطریق کا اظہار کرتا تھا، اور گویا کہ ہمارے علم میں لاتا تھا کہ ہمارا معاشرہ کس کردار اور کس طور وطریق کا حامل تھا، لیکن انہوں نے اس بات کو سامنے نہیں رکھا تھا۔

یہ ایک بیرونی ادب ہماری قدروں کو اور ہماری تہذیب وثقافت کو متاثر کرتا جا رہا ہے، اس کو ہم نے بہت دیر میں محسوس کیا، اور دیر میں محسوس کرنے کے بعد لوگ کھڑے ہوئے، اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کے ادیبوں کا کام قابل ستائش ہے، ان کے جو دانشور اس بات کو محسوس کر رہے تھے، انہوں نے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس میں حصہ لیا، اور مقابلہ کرنے کی کوشش کی، یہ مقابلہ ایسا نہیں ہے کہ دو فوجیوں کا مقابلہ ہے، جس میں اسلحے استعمال ہوں، یہ بہت خاموش طریقہ سے کرنے کا کام ہے، اور اس بات کی بھی کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ جو ادب ہمیں نقصان پہونچاتا رہا ہے، اس کے مختلف محاذوں کو ہم دیکھیں، جن محاذوں سے وہ نقصان پہونچا رہا ہے، ہمیں ان محاذوں پر لڑنا ہوگا، یہ نہیں کہ ہم ایک الگ محاذ سے لڑ رہے ہوں، اور حملہ دوسرے محاذ سے ہو رہا ہو، ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ادب

ہمیں کن محاذوں سے نقصان پہونچ رہا ہے، اور ہماری قدروں کو اور ہمارے طور وطریق کو بدل رہا ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ خطرے مذہب کے اقدار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، چنانچہ لوگوں کو اپنے تصورات وتخیلات کے دائروں میں بھی صحیح ادب کی نمائندگی کرنی ہے، کیونکہ ان کو اگر بدل دیا جائے، تو سب چیزیں بدل جاتی ہیں۔

بلادِ عربیہ کو لے لیجئے، دنیا کے دوسرے ملکوں کو لے لیجئے کہ وہاں کا معاشرہ کتنا بدل گیا، ہماری آنکھوں کے سامنے دونوں دور ہیں، ہم نے اپنے ابتدائی زمانہ میں وہ دور بھی دیکھا ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کی اپنی اصل قدریں تھیں، اور ان کے بڑے اثرات تھے، اور پھر وہ دور بھی دیکھا ہے کہ ان کے بعض علاقوں، ملکوں، معاشروں میں وہ قدریں خاصی تبدیل ہوگئیں، اور دوسری نئی قدریں ان کی جگہ آگئیں، اس کا سب نے مشاہدہ کیا کہ کس طرح خاموشی کے ساتھ ہمارے معاشرے کے طور وطریق اور قدروں، بلکہ تصورات ونظریات میں تبدیلی آئی۔

پہلے زبان بدلتی ہے، پھر قدریں تبدیل ہوتی ہے:

فرمایا: زبان کا بہت اثر پڑتا ہے، زبان بدلتی ہے تو اس سے متعلق تہذیب بدل جاتی ہے، اور زبان کا تہذیب سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ زبان ہی ادب کا محل ہوتی ہے، ادب زبان کے ذریعہ چلتا ہے، اور زبان ہی اس کو چلانے والی چیز ہوتی ہے، جب زبان بدل جاتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ قدریں بھی بدل جاتی ہیں، جو قدریں زبان کے راستے سے ادب کے اندر پیوست ہیں، جب زبان بدلے گی تو جو الفاظ ان قدروں کے حامل ہوتے ہیں، وہ بھی بدل جاتے ہیں، تعبیرات بدل جاتی ہیں، پھر ان کی قدریں بدل جاتی ہیں، اور آدمی کو محسوس نہیں ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اس وقت جہاں جہاں اردو کی جگہ ہندی نے لے لی ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہاں قدریں بدل گئیں، تصورات بدل گئے، وہاں خیالات بدل گئے، کسی نے بدلا نہیں ہے، دراصل جدید زبان اور اس کے جدید ادب کو پڑھ کر جو اس زبان کے ساتھ وابستہ تھا، اثر ہوتا ہے، یورپ میں باقاعدہ اس کی خاطر تحریکیں چلی ہیں، اہل

یورپ نے باقاعدہ اسی کو مقصود بنایا، دوسری زبانوں پر جو اثرات پڑے ہیں، ممکن ہے کہ وہ تحریک کے طور پر نہ ہوں، لیکن یورپ نے باقاعدہ تحریک چلائی ہے، اور بہت ہی حکمت کے ساتھ اور انتہائی سوجھ بوجھ کے ساتھ لوگوں کے ذہن بدلنے کی کوشش کی ہے، لوگوں کے تصورات بدلنے کی کوشش کی ہے، یورپ نے اگر صرف تصورات بدلنے کو اپنا مقصد بنایا ہوتا تو وہ اتنی بڑی بات نہ تھی، لیکن اس نے اخلاقی قدریں، حیا کی قدریں ان سب کو بدلنے کی کوشش کی، اور حیا کی قدروں کو بالکل نیست ونابود کر دیا ہے۔

صالح لٹریچر کی ضرورت اور رابطہ ادب اسلامی کا قیام:

فرمایا: آج ہم دیکھتے ہیں کہ اخبارات میں ایسی تصویریں آتی ہیں کہ ہماری پرانی نسل ان چیزوں کو ہماری ابتدائی عمر کے زمانہ میں گھروں میں داخل ہونے نہیں دے سکتی تھی، لیکن آج وہ بکثرت عام ہیں، اور ہم سب کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا، کیونکہ جو چیزیں عام ہوجاتی، اس کا احساس بھی کم ہوجاتا ہے، اور یہ سب یورپ کی لائی ہوئی باتیں ہیں، یورپ نے باقاعدہ اس کے لئے کوشش کی ہے، ہمیں ان چیزوں کو سامنے رکھ کر اپنی حکمت عملی طے کرنا ہے، اور ہمیں اس محاذ پر لڑائی لڑنی ہے، جس محاذ سے ہم پر حملہ ہو رہا ہے، ادب کے خاص محاذ سے ہم پر حملہ ہو رہا ہے، اس کا ہمیں مقابلہ کرنا ہے، وہ مقابلہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ ان کے جو خطرناک پہلو ہیں، ان کو ہم واضح کریں، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں ہم ایسا ادب پیش کریں، جو اس ادب کی جگہ لے سکے، اور اس ادب کو روک سکے، اس طرح ہم اس کے لئے رکاوٹ بن سکتے ہیں، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے اسی احساس کو اپنے دل میں بہت محسوس کیا، اور انہوں نے مضامین لکھے، اور ادب کا ایسا مجموعہ تیار کیا، جو عربی میں ''مختارات من ادب العرب'' ہے، جس میں انہوں نے پورے عربی ادب کے خزانے سے ایسے ٹکڑے جمع کئے، جو صحیح اسلامی ذہن بناتے ہیں، اور پھر اس کے بعد انہوں نے اس کی دعوت دی، ان کی اس دعوت کو لوگوں نے پسند کیا، اور آہستہ آہستہ قافلہ بنتا چلا گیا، پھر رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل کی، الحمد للہ اس

وقت دنیا میں بہت سے ملکوں میں یہ رابطہ کام کر رہا ہے، ہمیں صحیح الفکر دانشور اہل قلم کی مدد کی ضرورت ہے، اور ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔

ہمیں بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے، اس کے لئے ہمارے نوجوانوں اور ہمارے دانشوروں کو کمر کسنا پڑے گا، اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق ایسا ادب پیش کرنا ہوگا، جو اُس ادب کی جگہ لے جو مفید نہیں ہے، اور اس مخرب ادب کو روک سکے، اور اس کے مقابلہ میں آسکے۔

ادب کا معنیٰ ومفہوم:

یہ ادب کا لفظ حقیقت میں بہت اچھے معنوں میں پہلے استعمال ہوتا تھا، آمد اسلام سے قبل یہ لفظ عربوں میں مستعمل تھا، لیکن اس کا مطلب ہوتا تھا: ''پسندیدہ اور مفید چیزوں کو پیش کرنا'' اسی لئے کھانے کی دعوت کو اسی لفظ سے ادا کرتے تھے، کوئی آدمی جب کسی کا اکرام کرتا ہے، تو گویا وہ پسندیدہ چیز اس کے لئے پیش کرتا ہے، چنانچہ ''مأدبۃ'' ادب سے بنا ہے، جس کے معنیٰ دعوت کے ہوتے ہیں، اسلام کے آنے کے بعد یہ لفظ زبان وادب کی تعلیم کے لئے استعمال ہونے لگا، اس لئے کہ تعلیم اچھی اور مفید چیزوں کی، اور پسندیدہ چیزوں کی ہی ہوتی ہے، اس کے بعد یہ لفظ صرف دلنواز پسندیدہ مضمون کے لئے استعمال ہونے لگا، اور لوگوں نے آہستہ آہستہ اس کے مفید ہونے کی طرف توجہ کم کردی، یہ صحیح ہے کہ ادب کو پسندیدہ ہونا چاہئے، پسندیدہ کلام ہی ادب ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کے مفید ہونے کی بھی فکر کرنی چاہئے، مفید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی کو مفید رخ دکھاتا ہو، اور معاشرہ کی ایسی تشکیل کرتا ہو کہ معاشرہ اللہ کے نزدیک اور انسانوں کے نزدیک بھی اچھا معاشرہ ہو، ایسا معاشرہ نہ ہو، جو حیا اور اخلاق کی ساری قدروں سے خالی ہو، یا ان کو منہدم کرنے والا ہو۔

تاریخی افادات

عربوں کی اہم خصوصیت:

فرمایا:عربوں کی ایک خصوصیت مساوات (برابری قائم رکھنا) ہے،دوسری وسعت قلبی، یہ صفت دوسری قوموں کے مقابلہ میں ان میں زیادہ ہے،مہمانوں کا اکرام اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کرنا،اختلاف اسی وجہ سے وجود میں آتے ہیں کہ ہر شخص اپنی بات کو اہمیت دیتا ہے،حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے غیر معمولی مساوات کا ثبوت دیا، یہ ایک دن یا دو دن کی بات نہ تھی، مہاجرین وانصار کے آباء واجداد الگ الگ تھے،ایک عدنانی اور دوسرے قحطانی تھے،انصار کا پیشہ زراعت اور مہاجرین کا پیشہ تجارت تھا۔

عربوں کو دوسری قوموں پر اس وجہ سے برتری حاصل ہے کہ اسلام کی نمائندگی وہ جس طرح سے کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کر سکتی، بہادری میں ترک بڑھے ہوئے تھے،علوم میں ایرانی بڑھے ہوئے تھے،لیکن اسلامی خصوصیات میں عرب بڑھے ہوئے تھے،حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرمایا کرتے تھے :اسلام ہندوستان میں سیکنڈ ہینڈ (second hand) پہونچا ہے،یعنی خراسان ترکستان ہو کر آیا ہے، ہندوستان کی مذہبی ثقافت پر ترکستان کا خاص اثر ہے،میرے سفر نامہ ’’سمرقند و بخارا کی بازیافت‘‘ میں اس کی طرف خاص اشارہ ہے، بخاری، ترمذی، نسائی یہ سب ترکستان کے تھے، یہ علاقے بڑی اہمیت کے حامل تھے،لیکن ان پر انقلاب زمانہ کا اثر ہوا،اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے کہ اگر تم اس اصل چیز کو باقی رکھو گے تو تم باقی رہو گے۔

عربوں کی صفات:

فرمایا:عربوں میں دریا دلی ہے،وہ بہت خوش دلی سے استقبال کرتے ہیں،ایک

مرتبہ ایک عجمی ان کے ساتھ تھے، عرب ان سے باربار أھلا و سھلا کہہ رہے تھے، اس نے کہا کہ کیا "آلو کا سالن" بار بار دہرا رہے ہیں، عربوں کی ایک صفت ہے کہ وہ دعوت قبول کرنے میں تکلف نہیں کرتے، کیونکہ انہیں احساس رہتا ہے کہ اگر دعوت قبول نہیں کریں گے تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ خود دعوت کرنے سے ڈرتے ہیں، جبکہ ان کی سخاوت ضرب المثل ہے۔

ایران کا قدیم مذہب:

فرمایا: ایران کا پشتینی مذہب شیعہ نہیں، یہ ایک عرصہ کے بعد ہوا، اصل بات یہ ہے کہ ایرانیوں کی ترکوں سے برابر جنگ ہوتی رہتی تھی، جس میں ایرانیوں کو شکست ہوتی، اس لئے ایرانیوں نے سوچا کہ مذہب کا سہارا جب تک نہیں لیا جائے گا، اس وقت تک جوش پیدا نہیں ہوگا، اس لئے مصلحتا وضرورتا شیعہ مذھب کو اختیار کیا، مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے کہا کہ علامہ اقبال نے کہا کہ جب سے ایران نے شیعیت اختیار کیا، اس وقت سے کوئی قابل ذکر شخصیت وجود میں نہیں آئی، ان کا شعر ہے:

نہ اٹھا پھر کوئی رومی، عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب وگل ایران، وہی تبریز ہے ساقی

ہندوستان کی آزادی میں انگلینڈ اور جرمنی کی جنگ کا دخل:

فرمایا: ہندوستان کی آزادی میں انگلینڈ اور جرمنی کی جنگ کا بڑا دخل ہے، ۳۸ء سے ۴۲ء تک جنگ ہوتی رہی، اس میں انگلینڈ بالکل ٹوٹ گیا، اس لئے رفتہ رفتہ آزاد کرنا شروع کیا، اور سمجھوتے کے تحت ہندوستان آزاد ہوا۔

چند کثیر آبادی والے اسلامی ممالک:

فرمایا: اسلامی ممالک میں چند ممالک کثیر آبادی والے ہیں، (۱) ایران (۲) پاکستان (۳) انڈونیشیا (۴) ترکی (۵) مصر۔ ان کی آبادی چھ کروڑ کے برابر ہے، بقیہ ممالک کی آبادی بہت کم ہے۔

انگریز کسے کہتے ہیں:

فرمایا: یورپ میں کئی مما لک ہیں: جرمنی، فرانس، انگریز، صرف انگلینڈ کے لوگوں کو کہتے ہیں، بقیہ دونوں جگہ میں الگ الگ نسلیں ہیں، انگریز بہت چالاک قوم ہے، اس نے کئی ملکوں پر اپنا قبضہ جمایا اور ان کو اپنے زیر اثر کرلیا۔

نام تبدیل کرنے کے اثرات:

فرمایا: نام بدلنے سے پوری تاریخ بدل جاتی ہے، کیوں کہ نئی نسل نام ہی کے ذریعہ تاریخ سے واقف ہوتی، جب نام ہی بدل دیا گیا تو گویا تاریخ بھی فراموش کردی گئی۔

ہر تشدد کے پیچھے بدمعاملگی:

فرمایا: ہر تشدد کے پیچھے بدمعاملگی کا اثر ہوتا ہے، لوگ تشدد کو دیکھتے ہیں، لیکن بدمعاملگی کا علاج نہیں کرتے، حقوق تلف کرتے ہیں، جس کی وجہ سے انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے۔

مستشرقین کی دسیسہ کاری:

فرمایا: مستشرقین نے بڑی ہوشیاری سے اسلامی سرمایہ پر حملہ کیا، پہلے خوبصورت انداز میں اس پر کام کیا، جس سے اعتماد حاصل کیا، پھر علوم شریعہ میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا، یا کم از کم اعتماد مجروح کیا، میں نے سفر آکسفورڈ میں ایک مستشرق کی کتاب پڑھی تھی، وہ سیرت پر تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک قومی قائد کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اور یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ محمد ﷺ نے کس طرح غریب قوم کو فقر وفاقہ سے نکالا اور معیاری قوم بنایا۔

عرب سامی اولاد:

فرمایا: عرب اور یہودی یہ سامی اولاد ہیں، حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، لیکن بنی اسرائیل نے ان کی بات نہیں مانی، بلکہ رومی حکومت سے ان کی سولی کا فیصلہ لیا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو یہودی یا عیسائی ہیں، اگر صحیح مذہب

والے ہیں تو وہ اہل کتاب کہے جانے کے مستحق ہیں، اوران کی نجات بھی ان کی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کی بناء پر ہوگی، لیکن رسول اللہ ﷺ کے آنے کے بعد ان پر ایمان لانا ضروری ہوگیا، اس وقت سارے یہودی اور عیسائی ملحد ہیں، نہ ان کا ذبیحہ جائز ہے، نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا، یہودی کی ذلت کا ایک اثر یہ ہے کہ ہر آدمی ان کو برا کہتا ہے، کیونکہ ان کے یہاں دنیاداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

جمہوریت کے سلبی پہلو:

فرمایا: جمہوریت میں ایسی خرابیاں ہیں، جو اسلام کی روح کے خلاف ہیں، اس میں انسان اپنے کو اقتدار کے لئے پیش کرتا ہے، اپنی تعریف خود اپنی زبان سے کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا: دنیا میں جمہوریت کے دو نظام ہیں: (۱) صدارتی (۲) پارلیمانی، پارلیمانی نظام میں ایک انسان دوسرے سے زیادہ بندھا ہوا ہے۔

ہر عروج کے بعد زوال:

فرمایا: ہر عروج کے بعد زوال ہوتا ہے، ایک حد تک انسان عروج پر ہوتا ہے، پھر اس کو زوال ہوتا ہے۔

تہذیب اور تمدن کا فرق:

فرمایا: ہر قوم کی اپنی تہذیب ہوتی ہے، جس میں کھانے پینے، رہنے سہنے کی تفصیلات ہوتی ہیں، لیکن تمدن خاص چیز ہے، جو ترقیات سے عبارت ہے۔

شاہ بانو کیس میں حضرت مولانا کا موقف:

فرمایا: شاہ بانو کیس میں راجیو گاندھی (سابق وزیر اعظم ہند) نے پارلیمنٹ سے قانون بنا کر مسئلہ کو حل کیا، اس مسئلہ میں راجیو کی دلچسپی کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ راجیو نے محسوس کرلیا تھا کہ مولانا علی میاںؒ کا ایک حلقہ ہے، اور موافق فیصلہ نہیں ہوگا تو اس

سے پورا حلقہ متاثر ہوگا، اور ہم جو پارلیمنٹ میں پہونچے ہیں، اس میں رکاوٹ ہوسکتی ہے، اس تناظر میں اس نے قانون پاس کرا کے مسئلہ حل کرادیا۔

تاریخ پڑھنی چاہئے:

فرمایا: تاریخ پڑھنی چاہئے، اس سے قوموں کے حالات کا علم ہوتا ہے، اور مستقبل کا سفر آسان ہوتا ہے، تاریخ اور ادب ترقی اور انقلاب لانے کے لئے بہت ضروری ہیں، تاریخ کے ذریعہ اپنوں کے ساتھ کیا ہوا اور دشمنوں کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کا علم ہوتا ہے، اور ادب کے ذریعہ بات کہنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) نے دونوں میں کمال حاصل کیا تھا، اس لئے انہیں کبھی اپنی بات پیش کرنے میں جھجھک محسوس نہیں ہوتی، اور ہر ایک سے اس کی سطح کے مطابق بات کرتے تھے۔

صلاح الدین کے انقلابی کام:

فرمایا: سلطان صلاح الدین ایوبی کے تین کام:

(۱) فاطمیوں کی حکومت ختم کی (۲) تاتاریوں کو شکست دی (۳) بیت المقدس کو فتح کیا۔ فرمایا: کرد کئی ملکوں میں منقسم ہیں: ایران، شام، ترکی اور عراق۔

کمیونزم اور سوشلزم:

فرمایا: دنیا میں کئی نظام جاری ہیں، ایک تو یہ کہ زبردستی سب کو ایک نظام کے تابع بنایا جائے، اس کو کمیونزم کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ہر شخص آزاد ہے، اس کو سوشلزم کہا جاتا ہے۔

فرمایا: کمیونزم میں مالک حکومت ہوتی ہے، اور سب برابر ہوتے ہیں، فرانس کے انقلاب کے بعد کمیونزم کو عروج ہوا، لیکن یہ نظریہ زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکا۔

امریکی مسلمان اپنی اولاد پر توجہ دیں:

فرمایا: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جب امریکہ گئے تھے، تو میں ان

کے ساتھ تھا، حضرت نے فرمایا: جو حضرات امریکہ میں ہیں، اگر انہوں نے اپنی اولاد کی حفاظت کا انتظام نہیں کیا، تو ان کا یہاں رہنا اور قیام کرنا حرام ہے۔

عالمی جنگوں کی تاریخ:

فرمایا: ۱۸۹۸ء میں ایک جنگ ہوئی، دوسری ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک، اور ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک، اور اس جنگ میں یورپ کمزور ہوگیا، جرمنی کو اگر چہ بار بار شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا، لیکن یورپ کی بھی کمر ٹوٹ گئی، اور اس نے اپنے زیر سایہ ملکوں کو آزاد کرنا شروع کیا، انہیں میں ہندوستان اور مصر وغیرہ ہیں، فرانس کے زیر اثر بھی بہت سے افریقی ممالک تھے، اس نے بھی ان ممالک کو آزاد کردیا، امریکہ کی آبادی ۲۵ رکروڑ کے قریب ہے، سویت یونین بھی ۲۰ کروڑ تھا، لیکن اس کا شیرازہ منتشر ہونے کے بعد اس کے اتحادی ممالک اس سے الگ ہو گئے، اور اس کی موجودہ تعداد دس کروڑ سے زیادہ نہیں ہے۔

امریکہ کی دریافت:

فرمایا: امریکہ ایک جزیرہ تھا، کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اسے دریافت کیا، وسطی امریکہ بہت شاداب ہے، وہاں کی شادابی کو دیکھ کر یورپ کے افراد وہاں منتقل ہونا شروع ہوئے، عام طور پر جن کو خطرہ ہوتا تھا، یا کسی مسئلہ میں گرفتار ہوتے تھے، وہ امریکہ کا قصد کرتے تھے، وہاں جا کر وہاں کی شادابی سے فائدہ اٹھایا، کام کی عادت نہیں تھی، اس لئے افریقہ کے کالے افراد کو لے گئے، ان سے کام کراتے اور خود آرام کرتے، اس طرح ان کو کام کرنے والے افراد مل گئے، وہاں انہوں نے ترقی کی اور اپنا تفوق ثابت کیا۔

یورپ کی موجودہ ترقی اندلس کی دین ہے:

فرمایا: چار سو سال تک یورپ سخت اندھیرے میں تھا، مسلمان ترقی کے بام عروج پر تھے، انہوں نے اندلس کے مسلمانوں سے سبق حاصل کیا، اور اس پر اپنی ترقی کی بنا رکھی۔

حضرت عمرؓ کی مذہبی رواداری:

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا، وہ اپنے غلام کے ساتھ سفر بیت المقدس پر روانہ ہوئے، تو سواری ایک تھی، باری باری اس پر سوار ہوتے تھے، جب بیت المقدس قریب آیا تو غلام کی باری تھی، غلام نے کہا کہ آپ اس موقع پر سواری کریں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں، تمہاری باری ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام سے عزت دی ہے، سواری سے نہیں، بالاسلام أعزنا الله ، و مهما ابتغينا العزة بغير الاسلام أذلنا الله۔ (اللہ تعالیٰ نے ہم اسلام سے سر بلند کیا ہے، اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعہ سے عزت کے طالب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو ذلیل کر دے گا)، ان کی قمیص پر کئی پیوند تھے، اس موقع پر بھی لوگوں نے کہا کہ آپ خلیفۃ المسلمین ہیں، انہوں نے کہا کہ لباس سے عزت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ کردار سے عزت حاصل ہوتی ہے، حضرت عمرؓ وہاں گئے تو نماز کا وقت ہو گیا، ایک کلیسا تھا، عیسائیوں نے کہا کہ آپ یہیں نماز پڑھ لیں، حضرت عمرؓ نے اس اندیشہ سے کہ کہیں اگر نماز پڑھ لی، تو لوگ اس کو مسجد بنا لیں گے، اور یہ حقوق انسانی کے خلاف ہے، وہاں سے باہر نکل کر نماز پڑھی۔

آب و ہوا کا اثر پڑتا ہے:

فرمایا: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کو کمزوری تھی، ڈاکٹروں نے چیک کیا تو کہا کہ کینسر کا شبہ ہے، ممبئی میں مزید چیک کرانے کی بات آئی، ہم نے لوگوں کو سختی سے منع کیا کہ آپ کے پاس متبادل علاج نہیں ہے، تو پھر چیک کر کے مزید مریض کو پریشانی میں ڈالیں گے، اس کے کئی مہینے بعد پھر لندن کا سفر کیا، اور وہاں کے پروگراموں میں شرکت رہی، پھر میں نے حضرت مولانا کے سامنے باصرار چیک کرانے کی بات رکھی، حضرت شروع میں تیار نہیں تھے، پھر راضی ہو گئے، چیک ہوا تو کوئی مرض نہیں تھا، یہ حقیقت ہے کہ آب و ہوا کا اثر پڑتا ہے، اور اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ملی مسائل میں سرگرم شخصیت

فرمایا: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۱) کے اندر ملت کا بڑا درد تھا، علی گڑھ کے اقلیتی مسئلہ کے کردار میں وہ پوری طرح مشغول رہے، اسی طرح شاہ بانو کیس میں بھی غیر معمولی دلچسپی لی۔

اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا:

سوال کیا گیا کہ دشمنان اسلام اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

فرمایا: اگر تلوار سے پھیلا ہوتا، اس کا وقتی اثر ہوتا، بعض علاقے اور ملک ایسے ہیں کہ تلوار سے بھی ان کو فتح نہیں کیا جا سکتا، جیسے افغانستان ویمن وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے۔

ہندوستانی مسلمان آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد:

فرمایا: آزادی سے پہلے ہندوستان کا حال عجیب وغریب تھا، انگریزوں کا غیر معمولی اثر تھا، مسلمانوں پر فقرے کسے جاتے تھے، داڑھی پر اعتراض کیا جاتا تھا، ایسے موقع پر اسلام پر باقی رہنا مشکل تھا، میں امین آباد سے نکلتا تو تین جگہوں پر اس کا سامنا کرنا پڑتا، آزادی کے بعد ماحول بدلا، اور کسی حد تک خود اعتمادی کے ساتھ زندگی گذارنے کا موقع ملا۔

مصر کی اسلام مخالف صورت حال:

فرمایا: یہی صورت حال مصر میں تھی، یورپ کا اس پر زبردست اثر تھا، وہاں داڑھی رکھنا ممنوع تھا، اس وقت کی نسل میں غیر معمولی حمیت تھی، "الاخوان المسلمون" کے اثر سے ماحول بدلا، اور اسلامی شعائر کے زندہ کرنے کی بات سامنے آئی، طہ حسین نے اپنی کتاب "مستقبل الثقافة فی مصر" لکھی، تو اس میں ثابت کیا کہ یورپین تہذیب ہی مصر کے لئے نفع بخش ہے، اور مصر مشرق کا جزء نہیں، بلکہ مغرب کا جزء ہے، طہ حسین نے فرانس میں شادی کر لی تھی، اس لئے ان کا نظریہ بالکل بدل گیا تھا، وہ مغربیت کے داعی وترجمان تھے۔

---

(۱) ملی رہنما، ماہر تعلیم بکنہ مشق ڈاکٹر، سابق جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل۔ یو۔ پی

بابری مسجد اور مسجد حرام:

فرمایا: بابری مسجد اور خانہ کعبہ کے انہدام اور اس پر اللہ کی نصرت کے سلسلہ میں ایک بات سمجھ میں آئی کہ قریش اس پوزیشن میں نہیں تھے، اس لئے اللہ کی مدد آئی، اور بابری مسجد میں مسلمان بہت کچھ کر سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی نہیں کیا، آپسی اختلاف کے شکار ہو گئے، اس سے بابری مسجد شہید ہوئی۔

تقسیم کے نقصانات:

فرمایا: تقسیم ہند میں لاکھوں لوگوں کی جانوں کا اتلاف ہوا، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ تقسیم کے خلاف تھے، وہ محسوس کرتے تھے کہ دعوت کے کام کو بہت نقصان پہونچے گا۔

شیعوں کے متعلق بعض امور:

فرمایا: شیعہ اتحاد صرف اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ اقلیت میں ہیں، اور اقلیت میں رہ کر وہ کچھ کر نہیں کر سکتے، شیعوں کو حضرت عمرؓ کو گالی دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی حکومت میں ایران فتح ہوا تھا، اس لئے وہ ان سے جلتے ہیں، اور وہ چونکہ عربوں سے اپنے کو نسب میں برتر سمجھتے ہیں، سوائے حضرت حسنؓ، حسینؓ کے، اور حضرت ابو بکرؓ سے دشمنی اور ان کو گالی دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ زبردستی خلیفہ بن گئے، اصلا حق حضرت علیؓ کا تھا۔

تقیہ اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ کی اقتدا کرتے تھے، اور ان کی رائے تسلیم کرتے تھے، تو سوال ہوتا ہے کہ تم حضرت علیؓ کے ماننے والے ہو تو تم سنیوں کی کیوں نہیں اقتدا کرتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ اصل میں حضرت علیؓ تقیہ کرتے تھے، نعوذ باللہ، اپنی ہی زبان سے یہ حضرت علیؓ پر منافقت کی تہمت لگاتے ہیں، تقیہ کیا ہے؟ منافقت کی تہمت ہے کہ سامنے کچھ کہتے ہیں، اور اپنے گھر میں جا کر کچھ کہتے ہیں۔

تقیہ کی نحوست:

فرمایا: شیعوں کے نزدیک تقیہ ہے، اس سے بہت سی برائیوں کے کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا، کفر تک تقیہ کے نام پر کرنے لگتے ہیں، وہ صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہتے ہیں، قرآن کو ناقص مانتے ہیں، حضرت عائشہؓ پر الزام لگاتے ہیں۔

فرمایا: یہ بات مشہور ہے کہ شیعہ حافظ نہیں ہوتے ہیں، ایک مرتبہ ایک مسئلہ پیش آیا، شیعہ اور سنیوں کے درمیان، حافظ کی ضرورت تھی، وہ کسی سنی حافظ کو پکڑ کر لے گئے تھے، دوسرا سنی فریق بھی پہونچا، حسن اتفاق کہ حضرت شاہ حلیم عطا صاحب کا ادھر سے گذر ہوا، وہاں کے سنی لوگوں نے حضرت مولانا شاہ صاحب کو بلا لیا، شاہ صاحب چونکہ حافظ قرآن تھے، اس لئے دوسرے فریق کے حافظ سے سوال کیا، لیکن وہ جواب نہ دے سکا، اس نے خود کہا کہ میں حافظ قرآن ہوں، اور سنی ہوں، لیکن میرے اوپر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں جواب نہ دے سکا۔

فرمایا: شیعہ دعوی کرتے ہیں کہ دس پارے کہیں موجود ہیں، لیکن اس کی عربی عجمی ہے، اسی طرح غلام احمد قادیانی نے بھی کہا تھا کہ اس پر وحی آتی ہے، لیکن پھسپھسی عبارت ہے، اور پھر یہ دعوی کیا کہ انگریزی میں وحی آتی ہے، درحقیقت اس کو انگریزوں نے کھڑا کیا تھا، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سید احمد شہید نے جو جذبہ جہاد پیدا کیا تھا، اس کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں نے ایسے لوگوں کو کھڑا کیا، متنبی نے بھی نبوت کا دعوی کیا، لیکن خلیفہ کے دباؤ سے اس نے رجوع کرلیا، نبوت کے دعوی دار پیدا ہوتے رہے ہیں، لیکن ناکام اور جھوٹے ثابت ہوئے، اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالی قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی فرما چکا ہے: ماكان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، (الأحزاب:۴۰) کیسی صاف اور صریح آیت ہے کہ حضور ﷺ کا نام لے کر صاف صاف فردیا ہے کہ آخری نبی ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

عیسائیوں کے یہاں فدیہ کی حقیقت:

فرمایا: عیسائیوں کے یہاں جو فدیہ کا لفظ آیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے، تو سوال ہوتا ہے کہ پھر اللہ نے ان کو پھانسی کیوں دی؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے پھانسی نہیں دی، بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے کو پھانسی پر لٹکا لیا، اپنی پوری امت کی جانب سے فدیہ کے طور پر، خوب گناہ کرتے ہیں اور پادری کے سامنے جاکر اپنے گناہ کی صورت بتاتے ہیں، اور پادری کچھ لے کر معاف کر دیتا ہے۔

جنگیں دفاعی نہ کہ اقدامی:

فرمایا: مثال کے طور پر صرف غزوات ہی کو لے لیجئے، تو آپ دیکھیں گے کہ غزوات کے تو صرف ۸ سال ہی ہیں، ۲ ہجری سے ۱۰ ہجری تک، اس کے علاوہ تو دعوت و تبلیغ کیا، حضور نے مکہ کی پوری زندگی اور مدینہ کی ابتدائی سالوں میں، تو پھر دعوتی جو ادوار ہیں، ان کی طرف آپ کی توجہ کیوں نہیں جاتی؟ دوسری بات یہ کہ جو بھی جنگیں ہوئی ہیں ان میں حضورﷺ کی طرف سے یا اسلام کی طرف سے کبھی اقدام نہیں ہوا، بلکہ خود مشرکین اور کفار بڑھ بڑھ کر مدینہ کی طرف آتے تھے۔ تیسری بات اگر مقصود لڑائی ہی تھی، تو پھر ذرا جنگوں کے مقتولین کی تعداد تو دیکھئے، دونوں طرف سے ملا کر صرف ۱۰۰۰ کے قریب مقتولین تھے، اور اس میں دونوں فریق کے مقتولین برابر سرابر یعنی آدھا آدھا تھے، اور اکثر جنگوں میں فتح مسلمانوں کو ہوتی، اور جب کہ فاتحین کے مقتولین کم ہوتے تھے، اور مفتوحین کے مقتولین زیادہ ہوتے تھے، پھر کیا بات تھی؟ جب ہم اس پہلو پر غور کریں گے، تو پتہ چلے گا کہ اسلام کا مقصد لڑائی نہیں تھا، بلکہ دین کو اللہ کے بندوں تک پہونچانا، اگر وہ آسانی سے مان لیں، بغیر زور زبردستی کے، اس کی مثال قرآن میں آئی ہے، حضور سے کہا گیا کہ صرف دعوت دیجئے، پہونچائیے، مانیں یا نہ مانیں، زور زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ غور کیجئے، ابو طالب آپ کو کتنا چاہتے تھے، کتنی محبت کرتے تھے، اگر دین میں زبردستی ہوتی تو کیا حضورﷺ

ان سے دین اسلام کے لئے اکراہ نہ کرتے، اور کیا ابو طالب نہ مان گئے ہوتے، چونکہ حضور سے محبت تھی اور بھتیجے ہونے کے ناطے زبردستی بھی کر سکتے تھے، لیکن زبردستی نہیں کی، کیونکہ دین میں اکراہ نہیں ہے، پھر اسلام کے بارے میں کہا گیا کہ اس میں اکراہ ہے، اور زبردستی اسلام قبول کروایا جاتا ہے، اور نہ کرنے والوں کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے، حالانکہ قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ نہیں ہوتی ہے، بلکہ جزیہ نہ دینے والوں کے ساتھ جنگ ہوتی ہے۔

تعدد ازدواج کی حقیقت:

فرمایا: گیارہ گیارہ شادیاں کرنے کا آپ جب پس منظر دیکھیں گے، تو حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی، عربوں میں چونکہ خاندانی عصبیت بہت تھی، خاندانی محبت بہت تھی، خاندان کا پاس ولحاظ بہت تھا، جب حضور ﷺ نے اپنے خاندان میں شادیاں کی، تو ان لوگوں نے حضور ﷺ کو اور صحابہ ؓ کو ستانا چھوڑ دیا، جس سے دین کی تبلیغ میں آسانی پیدا ہوگئی، اسی طرح عربوں میں رشتہ داری کی بڑی اہمیت تھی، بڑا پاس ولحاظ تھا، جب رشتہ داری کی بات آجاتی تھی تو پھر وہ قوم و مذہب نہیں دیکھتے تھے، تو جب حضور نے خاندان سے نکل کر دوسرے عرب کے لڑکیوں سے شادیاں کی، تو وہ لوگ بھی ان کو رشتہ ہونے کے ناطے ستانے سے رک گئے، اب اگر دشمن کہے کہ خواہش نفس کے لئے شادیاں کی تھی، تو حضور ﷺ نے جن عورتوں سے شادیاں کی، ان میں ایک کو چھوڑ کر اکثر بیوہ تھیں، کسی کی دو اور کسی کی تین شادی ہو چکی تھی، اور خود حضور ﷺ کی عمر اچھی خاصی ہو چکی تھی، جو خواہش کے ماند پڑنے کی عمر ہوتی ہے، اور اگر حضرت عائشہ ؓ سے کی تو اس میں بڑی مصلحت تھی، چونکہ حضور ﷺ نمونہ تھے، تو ظاہر ہے کہ نمونہ انفرادی زندگی کے لئے بھی اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی ہو، اور اجتماعی زندگی تو ہر ایک دیکھ رہا تھا، لیکن انفرادی زندگی تو گھر کی عورت ہی بتا سکتی ہے، اس لئے حضور نے ان سے شادی کی، اور انفرادی زندگی میں صرف بڑھاپے کے مسائل ہی نہ تھے، بلکہ بچپن کے بھی اور جوانی کے بھی مسائل تھے، اس لئے آپ نے ان سے نکاح کیا، تاکہ سارے مسائل امت کے سامنے آجائیں۔

عوام میں دین بیزاری کا سبب:

سوال کیا گیا کہ لوگوں میں دین بیزاری کیوں پیدا ہوئی؟

فرمایا: عیسائی راہبوں نے جو بے جا سختیاں کیں، اس سے دین بیزاری پیدا ہوئی، اور رہبانیت انہوں نے اختیار کی، اور ہر ترقی کے مخالف تھے، اس لئے جدید طبقہ نے دین کو اپنی راہ میں رکاوٹ تصور کیا۔

مسلمانوں میں احساس کمتری:

فرمایا: مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن مسلمان احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے، اس کی وجہ ہے کہ ایک مدت تک ان کے اسلاف نے اس ملک پر حکومت کی ہے، اس لئے وہ دبنے والے نہیں ہیں، ان کے مقابلے میں ہندوؤں میں مرعوبیت ہے، آر آر ایس کے لوگ ہندوؤں میں احساس برتری پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ضرورت ہے اس بات کی کہ مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا نہ ہو، اس زمانہ میں ترقی اور قوت حاصل کرنے کا ذریعہ تعلیم ہے، لیکن اس میں مسلمان پیچھے ہیں، یوروپ کی ترقی کا راز تعلیم ہے۔

مسلمانوں کی کوتاہی ہے کہ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ ہندو بھی غالب آسکتے ہیں، انہوں نے ان کو دعوت کا موضوع نہیں بنایا، لا اکراہ فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ ہم دین اسلام قبول کرانے پر جبر نہیں کریں گے، لیکن دعوت کا کام کریں گے۔ اندلس میں بھی یہی ہوا کہ وہاں مسلمان عیسائی کے زیر سایہ رہے، اور دعوت کا کام نہیں کیا، جس کی وجہ سے انہیں وہاں نکال دیا گیا۔

یورپ کی ترقی کا راز:

فرمایا: یورپ کی ترقی کا راز دو چیزوں میں ہے:

(۱) ظاہرداری، ظاہر کا اچھا ہونا (۲) نظم وضبط، ہر چیز کو ڈسپلن سے کرنا۔

اپنے موضوع پر ایک جامع ترین اور مستند کتاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت

علالت سے وفات تک

تالیف

مفتی محمد عمر شفیق ندوی

استاذ حدیث وفقہ، جدہ، سعودی عرب

ناشر

مکتبہ ندویہ

دار العلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

0522-2741225, 8960997707